ادبی ماہنامہ

اردو چینل

اردو چینل
www.urduchannel.in

MONTHLY

Rs. 5/-

Adbi URDU CHANNEL

ادبی ماہنامہ

اردو کاؤنسل کا

ادبی اردو چینل ممبئی

کتابی سلسلہ

سرپرست: **عبدالنبی عزیزی**

مدیران : **عبید اعظم اعظمی**
قمر صدیقی

رفقائے اردو چینل: ایم اسلم، التمش رشید، خالد صدیقی، وحید اختر انصاری، رفعت ہاشم

سرورق: **رخسانہ صدیقی** (لکھنؤ)

فروری تا مارچ ۱۹۹۹ء جلد نمبر شمارہ نمبر

فی شمارہ: ۵روپے **سالانہ:** ۵۰روپے

خط و کتابت کا پتہ:

ماہنامہ ادبی اردو چینل

۱۲۱۳ر۷، گجانن کالونی، گوونڈی، ممبئی ۴۰۰۰۴۳

فون: 5577863 - 5587860

فیکس: 6140621

email: rehman shaikh @hotmail.com

ایڈیٹر قمر صدیقی پرنٹر پبلشر / مالک شمس قمر صدیقی / سید علی نے **شاہین پبلیکیشنز** سے چھپوا کر دفتر اردو چینل سے شائع کیا

www.urduchannel.in

فہرست

بحث 3

☆ اردو غزل ایک بحث...... قمر صدیقی

☆ مجروح سلطان پوری ☆ اختر الایمان ☆ شہاب اختر

گفتگو 8

ادب میں ہم عصری کیا ہوتی ہے.... ناصر کاظمی

☆ شہزاد احمد ☆ انتظار حسین ☆ عزیز الحق

☆ اکبر لاہوری وغیرہ

دھنک رنگ 13

☆ التمش رشید

اسلامیات 14

تانیثیت (feminism) اور اسلام.... قمر صدیقی

پوسٹ مارٹم 19

وہ دین آبا کی روپ ریکھا پہ مرنے والے

☆ عبد النبی عزیزی

غزلیں 22

☆ ارتضی نشاط ☆ بیتاب اعظمی ☆ غلام مرتضی راہی

☆ ظفر اقبال ظفر ☆ بقا صدیقی ☆ نقوش نقوی

☆ سہیل غازی پوری ☆ قمر سنبھلی ☆ رحمٰن قدوس

☆ فاروق جائسی ☆ نظام ہاتف ☆ مضطر اعظمی

☆ شاہد لطیف ☆ شفیق الایمان ☆ امیر ثاقب

☆ شاداب صدیقی ☆ شہباز اعظمی

علم عروض 31

☆ عبید اعظم اعظمی

منتخب افسانہ 33

بمبئی....... آصف فرخی

کلاسک 40

نظمیں 41

☆ شرون کمار ورما ☆ نصرت حنفی ☆ شہاب اختر

ترجمہ 43

☆ کمل کمار ☆ شرد رنجن شرد ☆ پر پھل کمار اگھونے

خالی پیلی 44

☆ ایم اسلم

خطوط 45

❖ قمر صدیقی

www.urduchannel.in

اردو غزل ۔۔۔ ایک بحث

جو حضرات مغربی تنقید کے اسیر ہو کر غزل یا ہمارے دیگر قدیم اصناف سخن سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں انہیں فن پارے کے طرزِ وجود یعنی ontology پر ایک بار پھر سے غور کرنا چاہیے

"اشعار کے معنی کا کوئی طریقہ متعین نہیں ہے سننے والے کے دل میں جو معنی ہیں جب کوئی شعر سنتا ہے تو اس میں اپنے حال کی مناسبت سے معنی سمجھتا ہے اور اس کی مثال آئینے سے دی گئی ہے کہ آئینے میں صورت کے منعکس ہونے کی کوئی متعین شکل نہیں ہے کہ آئینہ جو بھی دیکھے ایک معین صورت نظر آئے۔ بلکہ جو بھی دیکھے گا اپنی ہی صورت کا عکس دیکھے گا اسی طرح اشعار میں ہے کہ جو بھی سنتا ہے اپنے انداز کے مطابق سنتا ہے۔ اس کے دل میں جو مثال ہے اسی پر شعر کے معنی لیتا ہے"

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ

دنیا کی دیگر جدید زبانوں میں شاید اردو زبان ہی سب سے کم عمر ہے۔ لیکن اپنی ہم عصر دیگر زبانوں کے مقابلے اردو زبان کچھ زیادہ جاندار شیریں اور ادبی حیثیت سے مالدار ہے۔ جہاں اسکی ڈھیر ساری وجوہات ہیں وہیں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ابتدا سے اب تک اردو زبان میں تصنیف و تالیف کا جو بھی کام ہوا وہ زیادہ تر غزل کی صنف میں ہے لہذا غزل اردو زبان کی آبرو ٹھہری۔ اور ہمارے ادب میں سلسلہ در سلسلہ جو بھی بڑے نام آتے ہیں ان میں سے بیشتر کا تعلق غزل سے ہی ہے۔

لیکن افسوس ناک بات یہ ہے کہ ادھر پچھلے چند برسوں سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ مابعد جدیدیت کے جھوٹے پرپگنڈے (falsepropaganda) کے چلتے غزل کے خلاف مسلسل جارحانہ رد عمل سامنے

آرہا ہے اور محمد علوی سے لیکر شہاب اختر تک لگ بھگ ہمارے سبھی بڑے چھوٹے شاعر شعوری یالاشعوری طور پر غزل کے تعلق سے منفی رجحانات کے اسیر ہوتے جارہے ہیں۔

اس سے پہلے ترقی پسند تحریک کے عروج کے زمانے میں بھی جب غزل پر ایسی وقت آن پڑا تھا تب مجروح سلطان پوری نے غزل کی اہمیت اور افادیت کیلئے مسلسل جدوجہد کی اور قدرے بعد میں ہمارے محترم ترقی پسند شعراء کے نزدیک غزل کو اعتبار اور افتخار نصیب ہوا۔

آج جیسا کہ ہمارے بیشتر مابعد جدید نقاد غزل کے ساتھ سوتیلا سلوک روا رکھے ہوئے ہیں (یا اس پر زور ڈالتے ہیں) تو شاید انہیں معلوم نہیں کہ اردو غزل کی جڑیں ہماری تہذیب کے بہت اندر تک ہیں۔ وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ غزل ہجوری، محبوب، کی سرد مہری اسکے ظلم و ستم تک محدود ہے اور سچائی بھی یہی ہے کہ یہ غزل کے محبوب اور مقبول ترین مصوضوعات ہیں اور شاید اسی لئے مغربی تہذیب کے پالے ہمارے مابعد جدید نقادوں میں غزل کے تعلق سے ناراضگی اور بیزاری پائی جاتی ہے۔ لہذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہماری غزل میں ہجر و فراق، نارسائی، مہجوری، محبوب کی سرد مہری وغیرہ مضامین اس کثرت سے کیوں پائے جاتے ہیں۔ دراصل اسکے پیچھے ایک پوری تہذیبی روایت کار فرما ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاؒ کا قول ہے کہ ”اللہ تعالیٰ اگر اپنے بندوں پر فری کرے تو یہ اس کا فضل ہے اور تنگی کرے تو عدل اور آگے دیکھے کہ وہ ہند میں ... ئے ملت کا نگہباں“ مجدد الف ثانی شیخ سرہندی کہتے ہیں

ہمارے تہذیبی تصورات میں بہترین عشق کا جو تصور بہترین سمجھا گیا اسی پر غزل کی عمارت کھڑی کی گئی۔

شیخ فتح اللہ صاحب کے ذریعہ مکتوب گرامی موصل ہوا۔ مخلوق کے ظلم و تعدی کی شکایت تھی۔ یہ چیزیں دراصل جماعت اولیا کا جمال ہیں اور ان کے زنگ کے لئے صیقل لہذا تنگ دلی اور کدورت کا سبب کیوں ہوں؟ تحریر فرمایا تھا کہ ظہور فتنہ سے ذوق رہا ہے نہ حال۔ حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ ذوق و حال میں اور زیادتی ہوتی کیونکہ وفائے محبوب سے جفائے محبوب زیادہ لذت بخش ہوا کرتی ہے۔ کیا ہو گیا کہ عوام کی طرح بات کر رہے ہو اور محبت ذاتیہ سے بہت دور ہو گئے ہو؟ بہر حال گذشتہ کے برخلاف آئندہ جلال کو جمال سے بڑھا ہوا سمجھو اور انعام کے مقابلے میں تکلیف کو بہتر تصور کرو۔ کیوں کے جمال اور انعام میں محبوب کی مراد کے ساتھ اپنی مراد کی بھی آمیزش ہے اور جلال اور تکلیف میں صرف محبوب کی مراد سامنے ہے اور اپنی مراد کی مخالفت بھی ہے۔

اقوال سلف' جلد سوم مرتبہ مولانا قمر الزماں

www.urduchannel.in

اوپر جن بزرگوں کے بیانات نقل کئے گئے وہ نہ صرف عہد ساز بلکہ رجحان ساز شخصیتیں بھی تھیں اور ہماری تہذیب اور فلسفے پر ان بزرگوں (یعنی صوفیانہ نظریات) کا عکس واضح طور سے دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ بات کلی طور پر صحیح نہیں ہے کہ ہماری شاعری میں جو تصور عشق جھلکتا ہے وہ ہمارے سیاسی یا سماجی حالات کی پیداوار ہے اور سچ بات تو یہ ہے کہ ادب یا آرٹ پر سماجی یا سیاسی حالات اتنے اثر انداز بھی نہیں ہوتے جتنا تہذیبی تصورات لہٰذا ہمارے تہذیبی تصورات میں بہترین عشق کا جو تصور بہترین سمجھا گیا اسی پر غزل کی عمارت کھڑی کی گئی۔

جو حضرات مغربی تنقید کے اسیر ہو کر غزل یا ہمارے دیگر قدیم اصناف سخن سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں انہیں فن پارے کے طرز وجود یعنی ontology پر ایک بار پھر سے غور کرنا چاہیے اور آئی۔اے۔ رچرڈس سے لیکر ژاک دریدا تک نے عبدالقاہر جرجانی سے لیکر شمس قیس رازی تک سے کتنا استفادہ کیا ہے اسے بھی مد نظر رکھنا چاہیئے۔

⊙⊙⊙

نظام الدین نظام کا انتقال

۷۰ کی دہائی میں ممبئی کے شعری افق پر نمودار ہونے والے ناموں میں ایک نمایاں نام نظام الدین نظام کا تھا۔

چلو یہ چادریں سر کش ہوا کے منہ پہ دے ماریں
ہمارے سر کھلے ہیں پاؤں بھی باہر نکلتے ہیں
عصا دیمک زدہ ہو اور کمر بھی جب خمیدہ ہو
کہ جب پیروں میں رعشہ ہو سنبھالا کون دیتا ہے
متاع جان و ایماں کا محافظ کس کو کہتے ہیں
دہان غار پر مکڑی کا جالا کون دیتا ہے

ان جیسے کئی اور خوبصورت اشعار کے خالق نظام اب ہمارے بیچ نہیں رہے۔ ۱۲ مئی ۱۹۹۹ کی صبح ان کا ممبئی میں انتقال ہوگیا۔ ادارہ اردو جینل بارگہ خداوندی میں دعا گو ہے کہ خداوند قدوس پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

بحث

www.urduchannel.in

نوجوان شاعر شہاب اختر کی رائے ہے کہ اخترالایمان مرحوم کا یہ جملہ ادب میں سنگ میل ہے کہ غزل اپنے Saturation point پر پہنچ چکی ہے۔

میں بمبئی میں نظم گوئی کے ہنگامے کے بیچ تنہا غزل گو ہوتے ہوئے اپنے ترقی پسند رفیقوں کے تمسخر کا نشانہ برسوں بنتا رہا تیلچی کے وزن پر (غزلچی) اور بیچارہ غزل گو کے خطابات سے نوازہ جاتا رہا۔ مگر اس حد تک درست ہے کہ جعفری صاحب نے کبھی مجھے ان معزز الفاظ سے نہیں نوازہ مگر غزل کے خلاف "غزل لعنت" (یعنی غزل ملعون ہے) تک کے الفاظ کے ساتھ مجھ سے بارہا گفتگو کی اور اس طرح دوسروں کی طرح میری ہمت شکنی کرتے رہے۔ محترم ڈاکٹر علیم نے تو (جو آگے چل کر بمبئی یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہوئے) ۱۹۴۹ء کی آل انڈیا ترقی پسند مصنفین کانفرنس بھمڑی میں غزل کے خلاف یہ تجویز اتفاق رائے سے پاس کروادی کہ "غزل ہمارا ساتھ نہیں دے سکتی" اس پر مجھے نظم کے الرغم غزل کی موافقت میں کہنا پڑا۔

ادائے طول سخن کیا وہ اختیار کرے
جو عرض حال بہ طرز نگاہ یار کرے
ستم! کہ تیغ قلم دیں اسے جو اے مجروح
غزل کو قتل کرے نغمے کو شکار کرے

☆ **مجروح سلطان پوری**

"یہ میں بہت دیانتداری سے سمجھتا ہوں کہ غزل اپنے Saturation point پر پہنچ چکی ہے۔ آپ کہتے ہیں تو کہیے یہ بھی ایک صنف ہے لیکن اگر آپ واقعی یہ چاہتے ہیں کہ شاعری میں پھیلاؤ آئے، اس میں نئے نئے تجربات ہو تو آپ کو نظم کی طرف توجہ دینی ہی پڑے گی۔ یہی بات کچھ احباب کے ساتھ ہو رہی تھی جو ادب میں دلچسپی رکھتے ہیں میرا اس میں یہ کہنا تھا کہ نظم کا میدان زیادہ بڑا ہے جبکہ غزل کی زمین ایک حد تک محدود ہے اور اس تعلق سے میں نے غالب کے ایک شعر کا حوالہ دیا تھا۔

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب
ہم نے دشتِ امکاں کو یک نقشِ پا پایا

اس شعر کے بارے میں میں نے یہ کہا تھا کہ اتنا بڑا، اچھا شعر ہے غالب کا لیکن اگر غالب اس موضوع کو لے کر نظم کہتے تو اندازہ لگائیے کہ وہ کتنی بڑی ہوتی۔

شاعری میں بہت سے اصناف ہے وہ کسی وجہ سے تو وجود میں آئے ہونگے اگر بات اختصار سے کہنی ہے تو دوہا بھی تو ہے۔ دوہے کے لئے سیاق و سباق کی ضرورت نہیں ہوتی کہنا یہ ہے کہ کیا صرف کسی چیز کی طرف اشارہ کر دینا کافی ہے۔ اس کے جواب میں آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ کیا طوالت لازمی ہے۔ نہیں یہ بات نہیں جب آپ ادب سے وابستہ ہوتے ہیں تو یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ آیا یہ موضوع غزل کا ہے یا نظم کا۔ ہم کسی بات کو کہہ کر نکل جانا چاہتے ہیں یا اس پر ٹھہر کر اتنی تفصیل سے کہنا چاہتے ہیں کہ وہ Register ہو، ذہنوں تک پہونچے۔ میرا کہنا تھا کہ نظم میں وسعت آتی ہے گہرائی آتی ہے۔ اپنی جگہ پر غالب کا شعر بہت بڑا ہے لیکن یہی موضوع وہ نظم میں کہتے تو........"

☆ اختر الایمان

"نوجوان شاعر شہاب اختر کی رائے ہے کہ اختر الایمان مرحوم کا یہ جملہ ادب میں سنگ میل ہے کہ غزل اپنے Saturation point پر پہنچ چکی ہے۔"

☆ شہاب اختر

اپنے حصے کی دھوپ (افسانے)
مظہر سلیم
قیمت: ۷۰ روپئے
ملنے کا پتہ: مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، ممبئی، دہلی، علی گڈھ۔

کائنات مجروح (مضامین)
ڈاکٹر آدم شیخ
قیمت: ۶۰ روپئے
تقسیم کار: مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، ممبئی، دہلی، علی گڈھ۔

www.urduchannel.in

❖ ناصر کاظمی اور شرکا،

www.urduchannel.in

ادب میں ہم عصری کیا ہوتی ہے؟

عام معنوں میں ایک ہی زمانے میں رہنے بسنے والے انسان ایک دوسرے کے ہم عصر کہلاتے ہیں۔ بلکہ اس تکلف کی بھی کیا ضرورت ہے۔ رائٹرز گلڈ تو ہر اس شخص کو ادیب کی سند دیدیتا ہے جو دو گواہ پیش کردے۔ گلڈ کی تقریباً چھ سو رکن ہیں اور قدرت اللہ کی دیکھئے کہ یہ سب کے سب ایک دوسرے کے ہم عصر ہیں۔ دنیائے ادب میں ہم عصری کے تصور کی یہ درگت دیکھ کر مجھے قرآن کریم کی وہ یہ آیت یاد آرہی ہے جس میں اللہ نے عصر کی قسم کھا کر کہا ہے کہ انسان خسارے میں ہے۔ عصر عربی زبان کا لفظ ہے اور مذکورہ آیت کی رو سے اتنا اہم اور محترم لفظ ہے کہ خدا نے اس لفظ کی قسم کھائی ہے۔ یوں بھی کسی بات کا یقین دلانے کے لیے آدمی اسی چیز کی قسم کھاتا ہے جو اسکے لئے سب سے زیادہ قابل احترام اور عزیز ہوتی ہے۔ اس لیے میں لفظ عصر کے قرآنی معانی پر توجہ دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ اب اگر سلیم احمد صاحب یہ اعتراض کریں کہ میں ادب کے معاملے میں قرآن کو بیچ میں کیوں لاتا ہوں۔ تو میری گذارش ہے کہ میں قرآن کو ادب سمجھ کر پڑھتا ہوں اور اپنی زبان کے بعض لفظوں کے اصل معانی پر اس لیے بھی زور دیتا ہوں کہ دور غلامی نے ہماری قومی علامتوں کا اس قدر مذاق اڑایا ہے کہ اب ہم ہر معاملے میں اہل مغرب کے دست نگر ہو کر رہ گئے ہیں۔ مثال کے طور پر مولوی، مولانا، حضرت۔۔۔۔ ان تین لفظوں کو ہی لیجئے۔ یہ الفاظ مغرب زدہ لوگوں کے لیئے محض گالی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ہمارے محترم بزرگ جناب حامد علی خاں جو ایک زمانے میں مولانا حامد علی خاں تھے۔ اب اپنے آپ کو مسٹر حامد علی خاں کہلوانا پسند کرتے ہیں۔ بہر حال برطانوی حکومت کے دور میں ہماری قومی اور ادبی روایات کا جو حال ہوا وہ ایک دکھ بھری کتھا ہے۔ تو میں عصر کے معنوں پر غور کر رہا تھا، عصر کے مروجہ معنی ہیں وقت جس میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا مگر یاروں نے تو اسے CLOCK TIME سمجھ رکھا ہے اور اس طرح آج کے ہم عصر ابن الوقت بن کر رہ گئے ہیں۔ اسی لیئے وہ لوگ جو عصر کو محض کلاک ٹائم سمجھتے ہیں قرآن کی رو سے خسارے میں ہیں عربی میں عصر کے مختلف معنی ہیں مثلاً عہد،

تو میری گذارش ہے کہ میں قرآن کو ادب سمجھ کر پڑھتا ہوں

تاریخ، رس، نچوڑ، خوشبو کی بھڑک۔ اور جب یہ لفظ بطور مصدر استعمال ہو تو اس کے معنی ہیں نچوڑنا۔ گویا ہم عصر وہ تخلیقی لوگ ہوئے جو باہم مل کر کسی خیال یا کسی عہد کا رس نچوڑیں۔ لہذا ادب میں وہی لوگ ہم عصر کہلا سکتے ہیں جو روح عصر کا شعور رکھتے ہوں اور انکا اجتماعی شعور اور تاریخی ورثہ مشترک ہو بلکہ وہ ذہنی طور پر زندگی کو ایک تخلیقی عمل سمجھتے ہوں۔ تخلیق کرنے والے خواہ کسی شعبۂ حیات میں کام کر رہے ہوں اور ذہنی طور پر چاہے مختلف سمتوں میں سوچتے ہوں مگر تخلیقی لگن انھیں ایک دوسرے کا ہم سفر اور ہم عصر بنا دیتی ہے۔

هم عصر کی پهچان تو یه هے که وه ادب کو ترقی کا زینه نه سمجهے اور ترقی نه ملے تو اسے درویشی نه کهے یعنی شاعری ذریعئه عزت بن کر نه ره جائے اور درویشی مجبوری کا دوسرا نام نهیں۔

اب ایک ادیب جو میرے زمانے میں لکھنے بیٹھا ہے اور منٹو کے افسانوں پر تنقید لکھ کر اپنا ادبی کیریر شروع کرتا ہے اور بالآخر مغربی سوچ کی حلقہ بگوشی قبول کر لیتا ہے یا ادب کو چھوڑ چھاڑ کر کوئی دنیاوی کرسی سنبھال لیتا ہے تو اس صورت میں ہم دونوں کسی جماعت کے رکن بن سکتے ہیں، ہم عصر نہیں کہلا سکتے۔ ہم عصر کی پہچان تو یہ ہے کہ وہ ادب کو ترقی کا زینہ نہ سمجھے اور ترقی نہ ملے تو اسے درویشی نہ کہے یعنی شاعری ذریعۂ عزت بن کر نہ رہ جائے اور درویشی مجبوری کا دوسرا نام نہیں۔ اگر ہم عصر ایسا نہیں تو پھر میں سرسوں کے پھول کو ہم عصر کہوں گا۔

عصر کے معنی تاریخ بھی ہیں اور ہم عصر وہ لوگ ہیں جنکی کوئی مشترکہ تاریخ ہو مہارانی میرا بائی اور میر جو مجھ سے کہیں پہلے گذرے ہیں میرے ہم عصر ہیں۔ میں انکے ج[illegible]ں میں بیٹھ کر بھجن اور غزلیں [illegible]تا ہوں اور انہیں اپنی کتھا سناتا ہوں۔ میں جب میر اور میرا بائی کا نام لیتا ہوں تو بعض ادھ کچرے سے ادیب مجھے قدامت پرست کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تاریخ اپنے آپ کو نہیں دہراتی یہ بات مجھے معلوم ہے مگر اس بات کا ان کے پاس کیا جواب ہے کہ احمق بار بار کیوں پیدا ہوتے ہیں؟ دراصل تخلیق کرنے والا شخص تنہا ہوتا ہے اور یہ تنہائی اسے ماضی، حال اور مستقبل سے ملا دیتی ہے۔ میر تو خیر ہمارے ماضی کا ورثہ ہیں۔ میں تو اسلم انصاری کو بھی اپنا ہم عصر سمجھتا ہوں جسنے مجھ سے پندرہ سال بعد لکھنا شروع کیا۔ جب وہ یہ کہتا ہے کہ ع

اتنے سارے لوگ ہیں اور میں تنہا ہوں

تو میری تنہائی جاگ اٹھتی ہے اور میں اور وہ ایک ہی عصر کی لہریں بن جاتے ہیں۔

مگر وہ شخص جو بچپن سے میرا ہم جماعت اور ہم نشیں تھا آج اس نے ایک بہت بڑا کارخانہ الاٹ کرا لیا ہے۔ وہ

میرے زمانے میں رہتا ہے، وہ کبھی کبھار مجھ سے ملتا بھی ہے۔ حال پوچھتا ہے ساتھ بیٹھکر چائے پیتا ہے اور بل ادا کرنے کے بعد موٹر میں بیٹھ کر چلا جاتا ہے۔ ہماری ہم عصری بس چائے کی میز تک محدود ہے۔ جدا ہو کر ہم ایک دوسرے کے لیے مر جاتے ہیں نہ میں اسکی زبان کو سمجھتا ہوں اور نہ وہ میری بولی کو سمجھتا ہے۔ ہم دونوں دیر بند دوست ہیں مگر ایک دوسرے کے لیے گونگے ہیں، وہ بھی قرآن کی اس آیت پر ایمان رکھتا ہے کہ "انسان خسارے میں ہے اور میں بھی۔ وہ مجھے کہتا ہے کہ " تو شاعر ہے۔ اپنے وقت سے پیچھے رہ گیا ہے، اس لیے تو خسارے میں ہے۔" اور میں اسے کہتا ہوں کہ "تو وقت کے معانی محض دنیاداری یا ابن الوقتی سمجھتا ہے، تو خسارے میں ہے۔"

ایک شہرت بخاری ہے جس نے میرے ساتھ شعر کہنے شروع کیے اور آج بھی ہم دونو ایک ساتھ چھپتے ہیں اور خوب، خوب داد سخن پاتے ہیں اس اعتبار سے ہم دونو ہم عصر ہیں مگر جب میں یہ کہتا ہوں کہ بیس برس پہلے سپین میں ایک لڑکا گٹار بجاتا تھا اور شعر کہتا تھا وہ بھی میرا ہم عصر ہے تو شہرت بخاری دیوار کی طرف دیکھنے لگتا ہے سپین کا گیٹار بجانے والا شاعر میرا ہم عصر ہے مگر وہ میرے ایک دوسرے ہم عصر شاعر کا ہم عصر نہیں۔

میں جب تازہ غزل کہتا ہوں تو میر کو بھی سناتا ہوں اور احمد مشتاق کو بھی۔ ہم سب لکھنے والے بظاہر ہم عصر ہیں اور ہم سب خسارے میں ہیں۔ کلمہ پڑھ کر اقرار کی سنّت ادا کرتے ہیں مگر انکار کے ذائقے سے ناآشنا ہیں۔ در اصل ایک ساتھ جینا مرنا یا لکھنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ایک زمانے میں مل کر سوچنا، اور کسی ایک سمت کی تلاش میں سفر کرنا ہم عصری ہے۔

ہم لکھنے والے مسافر ہیں نامعلوم منزلوں کے مسافر...... مگر ہر مسافر کی الگ الگ منزل ہے۔ ہم سب تھوڑی دیر کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ چلتے ہیں اور کسی پگڈنڈی پر بچھڑ جاتے ہیں اور اکیلے رہ جاتے ہیں اور اداسی ہماری ہم سفر رہ جاتی ہے، یہ اداسی کوئی ذاتی اداسی نہیں بلکہ تخلیقی لوگوں کی مشترکہ تقدیر ہے۔ یہ اداسی مایوسی نہیں بلکہ خود آگہی کی منزل کی طرف پہلا قدم ہے۔ ایک بے وحدت اور اوچھا آدمی ہجوم سے گھبرا کر گالیوں پر اتر آتا ہے مگر ایک شریف النفس اور مہذب انسان اداس ہو کر گہری سوچ میں ڈوب جاتا ہے کہ اس گناہگار معاشرے کو کیا جواب دے جسکا دل کسی بات پر نہیں دکھتا اور جسکی آنکھ کسی المیئے پر نہیں بھیگتی۔ مگر منیر نیازی تو اجاڑ مکانوں اور خاموش دروازوں کی زبان کو بھی سمجھتا ہے اور جب وہ سنسان گلیوں کو دیکھ کر روتا ہے تو میں بھی اسکے ساتھ روتا ہوں۔

قصہ کوتاہ یہ کہ ایک مشترکہ گہرے طرز احساس کے بغیر دو شخص ایک دوسرے کے ہمنوا نہیں ہو سکتے۔ مجھے قرآن کی وہ آیت پھر یاد آرہی ہے کہ عصر کی قسم انسان خسارے میں ہے"۔ اگر عصر کے معنی وقت اور تاریخ ہیں تو نماز عصر کیا ہے؟ عصر کا وقت دن کے زوال کا وقت ہے۔ اور عصر کی نماز اس وقت پڑھی جاتی ہے جب دن رات کی منزل میں داخل ہونے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ مگر اس وقت تو مجھے اس شخص کی یاد آرہی ہے جس نے

www.urduchannel.in

گھوڑے سے گر کر عصر کی آخری نماز تنہا پڑھی تھی۔

ناصر کاظمی کے اس مختصر مضمون کے بعد عام بحث شروع ہو گئی۔اکبر لاہوری نے اس کا آغاز کیا:۔

اکبر لاہوری: یہ مضمون خیال انگیز ہے مگر جس طریقے سے اس میں زبان کا استعمال کیا گیا ہے وہ قابلِ اعتراض ہے۔ الفاظ کو اگر ان معانی میں استعمال کیا جائے جو عام طور پر ان الفاظ سے مراد لیے جاتے ہیں تو زبان سمجھ میں آسکتی ہے لیکن اگر الفاظ کو ذاتی معانی دے دیئے جائیں جیسا کہ اس مضمون میں کیا گیا ہے تو بات ناقابلِ فہم ہو جاتی ہے۔ معاصر کے لفظ سے لغت میں جو معنی مراد لیے جاتے ہیں۔ وہ ہم عہد ہونے کے ہیں اور انھیں معانی کے ساتھ یہ لفظ روزمرہ کی گفتگو میں مروج ہے۔ ہم عہد ادیب بھی ایک دوسرے کے معاصر ہونگے اور ہم عہد ادیب اور غیر ادیب بھی معاصر ہوں گے۔ ناصر کاظمی نے معانی کی جو تجدید کی ہے وہ ناقابلِ قبول ہے۔ادیب عام آدمیوں کا ہم عصر اس لیے بھی ہوتا ہے کہ وہ انھیں حالات کی پیداوار ہوتا ہے جن کی پیداوار عام آدمی ہوتے ہیں اور ان حالات سے متاثر بھی ہوتا ہے۔

شہزاد احمد :ناصر کاظمی کا ہم عصری کا تصور جذباتی ہے اور منطقی طور پر درست نہیں ہے۔

شیر محمد اختر:ناصر کاظمی نے سپین کے ایک فنکار کے بارے میں دو ادیبوں کی مختلف آراء کا ذکر کیا ہے۔ یہاں پر ایک اور دیوار پیدا ہو گئی ہے جو ادیب کو ادیب سے جدا کرتی ہے۔

شاہ امرتسری:ناصر کاظمی کا نقطہ نظر ناقابلِ فہم ہے جس طرح سے انھوں نے ہمعصر کی تعریف کی ہے اس سے کوئی منفرد شاعر یا ادیب کسی بھی دوسرے شاعر یا ادیب کا ہم عصر نا ہو سکے گا۔

انتظار حسین :ناصر کاظمی نے جو نقطۂ نظر پیش کیا ہے وہ کوئی ایسا انقلابی نقطۂ نظر نہیں ہے۔ایک ہی زمانے میں رہنے والے سبھی آدمیوں کو ہم لوگ ہمعصر نہیں کہتے۔ مثلاً ہر چند کہ شہرت بخاری اور جوش ملیح آبادی ایک ہی زمانے میں رہتے ہیں مگر ہم عصر نہیں ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ ہر عہد کی ایک روح ہوتی ہے جو اس زمانے کے طرزِ احساس سے عبارت ہے۔ مگر ایک عہد میں پچھلے عہد کا طرزِ احساس جاری رہتا ہے۔ جوش پرانے طرزِ احساس کے نمائندہ ہیں۔ شہرت اور ناصر کاظمی اس طرزِ احساس میں شریک نہیں ہیں۔ یہ حضرات لکھنے والوں کے بعد میں آنے والی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔

عزیز الحق: مجھے اکبر لاہوری کی اس بات سے اتفاق ہے کہ کسی نہ کسی انداز میں ایک عصر کے تمام لوگوں کا انداز فکر ایک سا ہوتا ہے۔ مثلاً اٹھارہویں صدی کی سوچ ایک طرح کی ہوتی ہے اور انیسویں صدی کی ایک اور طرح کی۔ اٹھارہویں صدی کی روح عصر اس صدی کے خارجی حالات اور ان سے پیدا شدہ طرزِ احساس کا نتیجہ ہے۔ اور یہی بات انیسویں صدی کی روح عصر کے بارے میں بھی درست ہے۔ چنانچہ ایک دور کے رہنے والے ایک لحاظ سے ایک طرح سوچتے ہیں اور ان کی سوچ سے ان کے ایک ہی عصر میں رہنے یا ہم عصر ہونے کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اکبر لاہوری: ہم جوش کو اور شہرت اور ناصر اور انتظار کو ہم عصر ہی کہیں گے اور یہ بھی کہیں گے کہ ہر چند کہ یہ تمام لوگ ہم عصر ہی ہیں مگر جوش نے پرانے طریقے سے اپنی بات کہی ہے اور انہوں نئے طریقے سے جہاں تک ہم پیشہ یا ہم خیال ہونے کا تعلق ہے یہ امور ہم عصری کے لئے لازمی نہیں چنانچہ خود رسول للہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھے نوشیر وان عادل کا ہم عصر ہونے پر فخر ہے۔

اعجاز فاروقی: جہاں تک طرز فکر کا تعلق ہے وہ لوگ بھی جنہوں نے نذر میر اور نذر سودا کہہ کر غزلیں لکھی ہیں۔ میر سودا سے ذہنی طور پر مختلف رہے ہیں اور خیال کے اعتبار سے آج کے لوگوں کے ہم عصر ہیں۔

امجد الطاف: عام گفتگو میں ناصر کاظمی اور حبیب جالب کو ہم عصر کہا جائے گا۔ ناصر اور میر کو نہیں کہ ہم عصرت کے لئے ہم خیالی شرط نہیں ہے۔ کبھی کبھی تخلیقی لمحوں میں ادیب پر ایسا وقت آتا ہے جب وہ اپنے آپ کو ہزار سال پہلے یا ہزار سال بعد کے زمانے میں رہتا ہوا محسوس کرتا ہے لیکن اس سے وہ آج سے ہزار سال پہلے یا بعد کے ادیبوں کا ہم عصر نہیں بن جاتا۔

عزیز الحق: اگر تمام کامیاب ادیب زمان و مکان سے آزاد ہو جاتے ہیں تو ان سب کو لامحالہ ایک ہی لازمان ولامکان میں کھڑا ہونا چاہئے۔ اور اس لازمان میں کوئی مطحسین نہیں ہونا چاہئیں۔ تاہم ہم عصری کا مسئلہ اس سے مختلف ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ کونسا طرز احساس اچھا ہے اور کونسا طرز احساس برا۔ اس کے تعین کے بغیر فیصلہ ناممکن ہے۔

عابد حسن منٹو: اس ساری بحث کی وجہ ہے کہ بحث کرنے والوں میں بعض خالص ادیب ہیں۔ وہ جذبے کی مدد سے اصطلاح کی تعریف کرتے لیکن یہ اصطلاح خالص ادب کی نہیں بلکہ تنقید کی بھی ہے ہم عصر وہ لوگ جو ایک عصر سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے ہم عصریت کا تعین اشتراک عصر سے کرنا چاہئے۔ اشتراک طرز احساس سے نہیں۔

☆☆☆☆☆

جہات شاعری

شاہد لطیف

قیمت: ۱۰۰ روپے

: مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ پرنس بلڈنگ جے جے کارنر ممبئی۔ ۳

www.urduchannel.in

خمار بارہ بنکوی کا انتقال

نیا ہے زمانہ نئی روشنی ہے
چراغوں کے بدلے مکاں جل رہے ہیں

مشاعروں کے مشہور شاعر اور شاید جگر اسکول کے آخری نمائندہ خمار بارہ بنکوی پچھلے دنوں اپنے آبائی شہر بارہ بنکی میں انتقال کر گئے خمار صاحب پچھلے دنوں سے علیل تھے۔

خمار صاحب کے انتقال سے جہاں مشاعروں کا شدید نقصان ہوا ہے وہیں ہم جیسے نو واردانِ ادب کا بھی نقصان یہ ہوا کہ ہم ایک روایتی لب و لہجہ (جو کہ ویسے بھی معدوم ہوتا جارہا) والے شاعر سے محروم ہو گئے۔ ادارہ خمار صاحب کے پس ماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

امرت سین اور عبد الکلام کو ڈی لٹ ڈگری:

دیانند سرسوتی یونی ورسٹی (اجمیر) نے نوبل انعام یافتہ امرت سین اور سائنس داں عبد الکلام کو ڈی لٹ کی اعزازی ڈگری دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ یونیورسٹی انتظامیہ نے پچھلے دنوں ہوئی میٹنگ میں یہ فیصلہ کیا۔

ہر سال دو کروڑ روپے کے مفت ریلوے پاس:

بجٹ کا نام آتے ہی ہم ہندوستانی کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں کیونکہ سرکار کوئی بھی ہو بجٹ ایک ہوتا ہے۔ اور پھر ریل بجٹ کی تو بات ہی نرالی ہر سال کرائے میں اضافہ ہی کیا جاتا ہے۔ لوگ باگ پریشان ہیں کہ ریلوے کی ساری آمدنی کہاں جاتی ہے تو قارئین آپ کی جانکاری کے لئے بتادیں کہ ہر سال وزرات ریل تقریباً دو کروڑ کے مفت پاس جاری کرتی ہے۔ تعجب کی بات عوام کا پیسہ اسطرح لٹا کر وزراء اپنے سگے سنبدھیوں کو اسطرح فیض پہنچاتے رہتے ہیں۔

www.urduchannel.in

٭ قمر صدیقی

تانیثیت (Feminism) اور اسلام

تانیثی مطالعات اسی وقت بلند درجہ کہلائیں گے جب مردوں (اور عورتوں) کے بنائے متون کا مطالعہ حسب ذیل مسائل / سوالات کی روشنی میں کیا جائے۔

۱) عورتوں کے بارے میں جو تصورات، مفروضات، تعصبات ان متون میں ہیں کیاان میں کوئی سچائی ہے؟ایسا تو نہیں ہے کہ جنس (Gender) کی بنیاد تہذیبی تصورات پر ہے نہ کہ حیاتیاتی نظام پر۔

۲) مردوں کے بارے میں عورتوں نے اور عورتوں کے بارے میں مردوں نے جن تاثرات اور مفروضات اور رایوں views کا اظہار غیر شعوری طور پر کیا ہے ان سے ہم ان متون، انسانی تہذیب اور جنسی طبقاتی نظام کے بارے میں کیاجان سکتے ہیں؟

۳) کسی بھی متن (خاص کر تخلیقی متن) کا تجزیہ اس کی بغور قرأت اور چھان بین کے بعد کیاجائے تو اس متن کی تہہ میں پوشیدہ جنسی تعصبات محرکات، کرداروں کے باہم عمل اور رد عمل کی باریکیاں کردار نگاری کے گہرے اور عام طور پر نظر نہ آنے والے نکات وغیرہ واضح ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا تانیثیت (Feminism) محض ایک محدود مقامی قسم کا نقطۂ نظر نہیں بلکہ ایک طرز قرأت ہے۔ایک معیار ہے اس سے تمام تنقیدی کارگذاریوں کو روشنی مل سکتی ہیں۔

۴) کیا تانیثی تنقید کے ذریعے عورت اپنی اس قوت مند شارحانہ حیثیت کو پھر پا سکتی ہے جو مادری نظام (Matrilinean system) میں اسے حاصل تھی؟ تانیثیت پرست (Feminist) عورت کہتی ہے کہ مردوں کے بنائے ہوئے نظام میں اس کی حیثیت حصول کنندہ (Reciver) کی ہے جو محکومانہ حیثیت ہے۔دہندہ (Giver) کی نہیں جو بالادست حیثیت ہے۔ عورت اشیاء متون کی تعبیر خود نہیں کرتی مردوں کی بنائی ہوئی تعبیر کو قبول کرتی یاد ہراتی ہے۔کیا تانیثی تنقید کے ذریعہ عورت اپنے مادری نظام کے کھوئے ہوئے شجرۂ نسب کو حاصل کر سکتی ہے؟

مندرجہ بالا نکات تانیثیت تانیثی Feminist تنقید کے اہم نکات ہیں۔ ادب میں مابعد جدید

www.urduchannel.in

نظریات کی آمد کے بعد تانیثی فکر کو قابل قدر پذیرائی ملی۔ لہٰذا آج جبکہ فلم، فوٹوگرافی، کمپیوٹر، موسیقی، مصوری، مجسمہ سازی، مذہب، میڈیا، موڈلنگ، تھیٹر، اطلاعاتی سسٹم، الیکٹرانک کمیونکیشن لباس، لسانیات غرض فنی اور جمالیاتی اظہار کے تمام ذرائع پر مابعد جدید اور تانیثی نظریات کے واضح اثرات مرتکب ہو رہے ہیں ایسے میں تانیثی تنقید کے ان بنیادی نکات پر اسلامی نقطۂ نظر سے بات کرنا نہ صرف وقت کی اہم ضرورت ہوگا بلکہ بحث کو آگے بڑھانے کا باعث بھی بنے گا۔

ا۔ عورتوں کے بارے میں جو تصورات، مفروضات، تعصبات متون میں ہیں کیا ان میں کوئی سچائی ہے؟ ایسا تو نہیں ہے کہ جنس (Gender) کی بنیاد تہذیبی تصورات پر ہے نہ کہ حیاتیاتی نظام پر ہے۔

آج (جیسا کہ مندرجہ بالا نکتے سے واضح ہوتا ہے) ہمارے بیشتر مابعد جدید اور تانیثی نقاد عورت کے مرتبہ اور مقام کے تعلق سے تہذیبی اور حیاتیاتی نظام کے درمیان ٹامک ٹویاں مار رہے ہیں ایسے میں اسلام کا جو حکم عورت کے بارے میں ہے وہ ان کی رہنمائی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ ہمارے اکثر مابعد جدید نقاد تانیثیت کے تعلق سے equal Soequal کے اصول پر کاربند ہیں لیکن اس معاملے میں اسلام کا اصول خاصا حیاتیاتی (Biological) ہے یعنی اسلام اس معاملے میں equal but different کے اصول پر کاربند ہے۔ جہاں تک عزت و احترام کا سوال ہے تو اسلام میں عورت اور مرد میں کوئی تفریق نہیں ہے۔ حقوق کے معاملے میں بھی دونوں صنف کے درمیان اسلام میں برابری کا اصول قائم ہے لیکن عمل کے معاملے میں اسلام نے دونوں اصناف (مرد اور عورت) کی حیاتیاتی حدبندیوں (biological boundries) کو قبول کرتے ہوئے دونوں کو الگ الگ مقام عطا کیا ہے اور یہ تقسیم افضل اور غیر افضل کی بنا پر نہیں ہے بلکہ یہ تقسیم داخلی (indoor) اور خارجی (outdoor) کی بنیاد پر قائم کی گئی ہے۔ جیسا کہ یہ بات جگ ظاہر ہے کہ عورت پیدائشی اعتبار سے ایک کمزور جنس ہے اور مرد پیدائشی اعتبار سے ایک سخت جنس لہٰذا اسلام کی تقسیم درست قرار پاتی ہے۔ مثلاً امریکہ اور بیشتر مغربی ممالک نے بھلے ہی عورت کی مکمل آزادی کا نعرہ لگایا ہو مگر پھر بھی اسی حیاتیاتی حدبندیوں (biological boundries) کے سبب وہاں پر بھی آج تک خارجی شعبوں میں مردوں کی بالادستی ہے اور عورتوں کو نسبتاً ہلکے شعبوں میں ہی جگہ مل پائی ہے۔

۲۔ مردوں کے بارے میں عورتوں نے اور عورتوں کے بارے میں مردوں نے جن تاثرات اور مفروضات اور رایوں (views) کا اظہار غیر شعوری طور پر کیا ہے ان سے ہم ان متون انسانی تہذیب اور جنسی طبقاتی نظام کے بارے میں کیا جان سکتے ہیں۔

یہ بات عرض کرنے میں مجھے ذرا بھی عار نہیں کہ بحث کا یہ نکتہ ہی غلط ہے کہ اس حوالے سے اب تک جو بھی باتیں ہوئیں ہیں کیا ان سے کوئی نتیجہ نکلا ہے؟ اس سلسلے میں اسلامی حوالے سے بات کی جائے تو

www.urduchannel.in

شعوری یالاشعوری (غیر شعوری) کا سوال بھی نہیں اٹھتا کہ اسلام نے ان معاملات کے تعلق سے حتمی اور واضح اصول بنادیئے ہیں اور جو عین فطرت کے مطابق ہونے کی وجہ سے کسی اختلاف کا باعث بھی نہیں بنتے۔ مثلاً اگر ہم ساتویں صدی عیسوی تک دنیا کی سیاسی اور تہذیبی تاریخ کا منطقی جائزہ لیں تو ہمیں معلوم پڑتا ہے کہ نسبتاً غیر ترقی یافتہ اور کم مہذب عرب سماج میں اسلام ایک توانا اور ہمہ گیر انقلاب پسند قوت بن کر ابھرا اور اسکی وجوہات بھی ہیں ۔ زمانۂ جاہلیت کی عرب سوسائیٹی سماجی آلودگی سے پر ہو چکی تھی۔ زنا کے وہ عادی تھے شراب اتنی پیتے تھے کہ ہر گھر میخانہ بنا ہوا تھا۔ شادیوں کی تعداد پر کوپابندی نہ تھی جو شخص جتنی عورتیں چاہے رکھ لیتا تھا۔ باپ کی موت کے بعد اسکی بیویاں اسکے بیٹیوں میں تقسیم ہوجاتی تھیں ۔ انکے یہاں دو حقیقی بہنوں کے ساتھ ایک ہی مرد کا نکاح جائز تھا۔ لوگ باگ جوئے کے عادی تھے اور کبھی کبھی تو وہ گھر بار کے ساتھ اپنی بیویوں کو بھی داؤ پر لگادیتے تھے (خود ہمارے یہاں ہندوستان میں بھی، ہندو اساطیروں (myths) میں جوئے میں بیویوں کے ہارنے کے واقعات ملتے ہیں) یہاں تک کہ عرب سوسائٹی میں لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کے واقعات بھی ملتے ہیں۔ اور پھر عرب ہی کیا تاریخ گواہ ہے کہ اس وقت مہذب سمجھی جانے والی روم اور ایران کی سوسائیٹیوں میں بھی عورتوں پر ایسے ہی مظالم روا تھے۔ اسلام نے دنیا میں پہلی بار عورتوں کے حقوق کی بات کہی اور اتنے فطری طریقے سے کہی کہ آج تک ساری دنیا کے Feminist مل کر بھی اسکا نعم البدل نہیں لاپائے۔

> عورتوں کے بارے میں جو تصورات، مفروضات، تعصبات متون میں ہیں کیا ان میں کوئی سچائی ہے؟ ایسا تو نہیں ہے کہ جنس (Gender) کی بنیاد تہذیبی تصورات پر ہے نہ کہ حیاتیاتی نظام پر ہے۔

۳۔ کسی بھی متن (خاص کر تخلیقی متن) کا تجزیہ اسکی بغور قرأت اور چھان بین کے بعد کیا جائے تو اس متن کی تہہ میں پوشیدہ جنسی تعصبات، محرکات کرداروں کے باہم عمل اور رد عمل کی باریکیاں کردار نگاری کے گہرے اور عام طور پر نظر نہ آنے والے نکات وغیرہ واضح ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا تانیثیت محدود مقامی قسم کا نقطہ نظر نہیں بلکہ ایک طرزِ قرأت ہے ایک معیار ہے اس سے تمام تنقیدی کار گذاریوں کو مدد مل سکتی ہے۔

مابعد جدیدیت نے جن گمراہ کن نظریات کو مستند بنانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ "تانیثیت محدود مقامی قسم کا نقطہ نظر نہیں ہے بلکہ ایک طرزِ قرأت ہے ایک معیار ہے اور اس سے تمام تنقیدی کار گذاریوں کو مدد مل سکتی ہے۔ یہاں بالراست ہمارے محترم تانیثی

Feminist نقاد یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ تانیثیت ایک ہمہ گیر نقطہ نظر ہے اور اس سے تمام ادبی (غیر ادبی) معاملات کا نپٹارہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ تانیثیت ہی کیا دنیا میں آج تک کوئی بھی نظریہ (ism) تیس چالیس سال تک نہیں چل سکا اور وہ outdate (پرانا) ہو گیا کیونکہ نظریہ (ism) محض اپنے وقت کی سماجی ضروریات کا نتیجہ ہوتا ہے۔ لہٰذا تانیثی نقادوں کا یہ دعویٰ سرے سے ہی غلط قرار پاتا ہے کہ تانیثیت ایک ہمہ گیر نظریہ ہے۔

حضرت علیؓ کا قول ہے کہ "الشعر میزان القول(ورواہ بعضھم الشعر میزان القوم)یعنی شاعری قول کا پیمانہ ہے اسی قول کو بعض لوگوں نے قوم کا پیمانہ کہہ کر نقل کیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہاں ہمیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ "کسی بھی متن (خاص کر تخلیقی متن) کے تعلق سے اسلامی نظریہ کیا کہتا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی نے اپنے ایک مضمون میں دور جاہلیت کی مروجہ شاعری پر اسلام کے رد عمل کا ذکر اسطرح کیا ہے۔

"اسلام نے ادبی شاعری کے ذہنی رجحانات پر ضرب لگائی، قرآن مجید نے شعراء کو ان کی بے راہ روی پر متنبہ کیا کہ وہ ایسی باتیں کرتے ہیں جو وہ خود نہیں کرتے" حضورؐ نے فرمایا کہ "شعر سے بہتر ہے آدمی قے سے اپنا پیٹ بھرے" شعراء کی پیروی کرنے والوں کو گمراہ قرار دیا گیا لیکن ان ارشاد کا مقصد یہ تھا کہ عربوں کو فحش شاعری، عورتوں کے جسمانی محاسن، شراب کی تعریف اور جوئے کی مدح سے روکا جائے اس لئے کہ اس کا بڑا مقصد خیالات و اخلاق کی پاکیزگی تھا۔ پاکیزہ شاعری کو حضورؐ خود بھی پسند فرماتے تھے اور اسلام کی مدافعت میں خود انہوں نے اس سے کام بھی لیا۔ آپؐ نے قصائد میں جو تشبیب ہوتی تھی اسکو بھی سنا اور اعتراض نہیں فرمایا

("عصر عباسی سے قبل عربی تنقید کا ارتقاء" ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی ماہنامہ معارف دسمبر 1967)

یہ ہمارے محترم تانیثی نقادوں کیلئے سوچنے کا مقام ہے کہ وہ تخلیقی متن کی تہہ میں پوشیدہ جن جنسی تعصبات کی بات کرتے ہیں اس کی خاطر اسلام نے زمانئے جاہلیت کی شاعری کے تعلق سے اتنا کڑا رویہ اختیار کیا ورنہ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ "الشعر میزان القول (ورواہ بعضھم الشعر میزان لقوم) یعنی شاعری قول کا پیمانہ ہے اسی قول کو بعض لوگوں نے قوم کا پیمانہ کہہ کر نقل کیا ہے۔

۴۔ کیا تانیثی تنقید کے ذریعے عورت اپنی اس قوت مند، شارحانہ حیثیت کو پھر پا سکتی ہے جو مادری نظام (Matrilinean System) میں اسے حاصل تھی؟ تانیثیت پرست عورت کہتی ہے کہ مردوں کے بنائے ہوئے نظام میں اس کی حیثیت حصول کنندہ (Reciever) کی ہے جو محکومانہ حیثیت ہے۔ دہندہ (Giver) کی

نہیں جو بالادست حیثیت ہے۔ عورت اشیاء متون کی تعبیر خود نہیں کرتی مردوں کی بنائی ہوئی تعبیر کو قبول کرتی یا دہراتی ہے۔ کیا تانیثی تنقید کے ذریعے عورت اپنے مادری نظام کے کھوئے ہوئے شجرہ نسب کو حاصل کر سکتی ہے؟

یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ ہماری آج کی سوسائٹی کے لئے مادری نظام (Matrilinean System) کتنا سودمند ہے۔ ظاہر ہے سوسائٹی پر کسی ایک جنس کا اقتدار سوسائٹی (سماج) کے لئے تباہی کا باعث ہوتا ہے اور پھر یہ سارے مسائل تو اس سوسائٹی (سماج) کے ہیں جو انسانوں کے بنائے نظریات پر عمل پیرا ہے۔ اسلامی سوسائٹی میں تو حصول کنندہ (Reciever) یا دہندہ (Giver) کا کچھ سوال ہی نہیں ہے کیونکہ اسلامی سوسائٹی خالق کل کے بنائے اصولوں پر کاربند ہے۔ لہٰذا اس سوسائٹی میں عورت تشکیل کا شکار نہیں ہو سکتی بشرطیہ کہ اسلامی اصولوں کو سوسائٹی میں عملی طور پر لاگو کیا جائے۔ ☆☆

شاداب صدیقی

وہ ڈوب جائے بھی گر اشک کے سمندر میں
میرے وجود کے قلب و جگر میں رہتا ہے

تمام عمر گزشتہ لہولہو ہے مگر
وہ آج بھی اسی شیشے کے گھر میں رہتا ہے

پناہ گر بھی بہت ہیں پناہ گاہ بہت
کبھی وہ شیم کبھی نیلوفر میں رہتا ہے

بچھائے بیٹھی ہے شاداب راہ پھولوں کی
کریں تو کیا کہ وہ درد شہر میں رہتا ہے

□□

عبدالرحمٰن شہباز اعظمی

یوں تو ہر گاؤں میں ہر شہر میں مشہور ہیں ہم
اپنی بپتی کو سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم

فلسفہ زیست کا سمجھا ہی نہیں ہم نے اب بھی
جذبہ عشق کی منزل سے بہت دور ہیں ہم

ایک لمحہ کے لئے ہم کو نہیں اب بھی سکوں
لوگ کرتے ہیں یہ اعلان کے مسرور ہیں ہم

کیسے پہچانیں بتا کیا ہے حقیقت تیری
تیری قربت سے تیرے در سے بہت دور ہیں ہم

کیسے ماحول کی عکاسی کریں اے شہباز
کچھ زباں دانی سے کچھ لکھنے سے معذور ہیں ہم

□□

www.urduchannel.in

www.urduchannel.in

❖ عبدالنبی عزیزی

وہ دین آبا کی روپ ریکھاپہ مرنے والے

"بای ذنب قتلتنی" سوال آشوب ناک، آتا نہیں کہیں سے جواب لیکن
سکوت طاری ہے چار سو، شش جہات چپ ہیں
ہے انتہائے بے حمیتی کہ اہل صوم وصلوٰۃ چپ ہیں
وہ دین ودنیا کے جملہ احوال زشت و نیکو کو ننگ
وناموس زن سے واسطہ کرنے والے وہ دم قدامت کا
بھرنے والے
وہ دین آبا کی روپ ریکھاپہ مرنے والے
وہ صالحین کرام چپ ہیں
ملوک عالی مقام چپ ہیں

خواص چپ ہیں، عوام چپ ہیں

ابتداء سے ہی اردو کی ادبی روایت میں غالب عنصر مسلم معاشرتی روایت کا رہا ہے۔ مسلم رسوم ورواج، لباس، بول چال، معتقدات سماجی، مذہبی، اخلاقی اقدار، مجلسی آداب وغیرہ ہمارے سبھی اصناف کا حصہ تھے خصوصاً اردو شاعری کی بیانیہ اصناف مثلاً مثنوی اور مرثیے کا تو وجود ہی اس سماجی پس منظر میں ہوا تھا۔ حالانکہ شاعری میں مسلم معاشرتی روایت کا زور زیادہ رہا ہے لیکن فکشن میں بھی ہم داستانوں کو اس روایت سے ہٹا کر نہیں دیکھ سکتے اور پھر داستانوں کے بعد مولوی نذیر احمد اور مرزا محمد ہادی رسوا کی ناولوں کے حوالے سے یہ مسلم معاشرہ فکشن میں زندہ تابندہ رہا اور یہ انہیں حضرات کی دین ہے کہ نثر میں مسلم معاشرے کی تصویریں قدرے بعد تک بھی دھندلا نہیں سکیں۔

لیکن آج ہم دیکھتے ہیں کہ اردو ادب میں اس مسلم معاشرے کی تصویریں نہ صرف دھندلا گئی ہیں بلکہ سرے سے ناپید ہوتی جا رہی ہیں۔ دراصل اس سارے گھپلے کی ابتداء ترقی پسند تحریک کی شروعات کے ساتھ ہوئی۔ ترقی پسند تحریک کے علم برادروں کے نزدیک مذہب پسندی، پرانی معاشرتی قدروں سے وابستگی روایت سے علاقہ مندی کا اظہار گویا ذہنی پسماندگی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ حالانکہ جو لوگ اس تحریک سے باہر رہ کر ادب تخلیق کر رہے تھے وہاں ایسی نوبت نہیں آئی تھی۔ لیکن مین اسٹریم سے باہر رہنے کی وجہ سے اس ادب کے دوررس اثرات مرتکب نہیں ہو پائے۔ ترقی پسند تحریک کے ساتھ ساتھ جدید ہندوستان کی تاریخ نے ایک اہم موڑ لیا اور ۱۹۴۷ کا واقعہ پیش آیا۔ اس واقعہ سے ہندوپاک کی تاریخ اور تہذیب پر واضح اثرات مرتکب ہوئے۔ نیر مسعود نے اپنے ایک مضمون ”نئی اردو شاعری میں مسلم معاشرہ“ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ”۴۷ کے بعد ہندوستان میں اردو اور مسلمانوں پر جو برا وقت پڑا اس نے شاعری کے مسلم عناصر کو ترقی پسند تحریک سے بھی زیادہ دھندلا دیا۔ اکثریت کی طرف سے اردو کو تقسیم ملک کا ذمہ دار اور صرف مسلمانوں کی زبان ”گویا مسلم زبان قرار دیا جانے لگا۔ اس اکثریتی رجحان کا رد عمل یہی ہونا تھا کہ اردو والے اپنی زبان کے سیکولر مزاج پر زیادہ سے زیادہ زور دیں۔ یہ رد عمل اردو شاعری میں اس طرح ظاہر ہوا کہ بیش تر شاعروں نے اپنے کلام میں اسلام کی نمود کو شجر ممنوعہ کی نمود سمجھ لیا اور کوشش کی کہ ان کی شاعری میں ان کے مذہب اور معاشرت کا انعکاس نہ ہونے پائے۔“ نیر صاحب نے تو صرف شاعری کی ہی بات کی ہے۔ دراصل یہی رجحان ہماری نثر میں بھی در آیا تھا۔ اور اس رجحان کے پیدا ہونے کی جہاں ایک وجہ اپنے آپ کو سیکولر ظاہر کرنا تھی وہیں دوسری وجہ ایوارڈ حاصل کرنے کا چکر بھی تھی۔ جی ہاں ہمارے کچھ ”قطرہ“ قسم کی تخلیق کاروں نے اپنے آپ کو ایوارڈ کے بل بوتے پر ”دجلہ“ ثابت کرنے کی کوشش میں قوم کا سودا کیا اور ایوارڈ حاصل کرنے کے چکر کے ایسے اسیر ہوئے کہ مسلم قوم پر ہو رہی زیادتیوں کو تخلیق میں درشانا تو کجا ان کا ہلکا سا حوالہ

www.urduchannel.in

بھی دینا معیوب سمجھا۔ آج وہی لوگ دلت ادب اور سیاہ فام ادب جو کہ احتجاجی ادب ہے اس کی تعریف کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ ہندی کہانیوں میں میرٹھ، ملیانہ اور دوسرے فسادات کا ذکر آنے پر ہندی والوں پر تالیوں کی بوچھار کرتے ہیں۔ لیکن ان لوگوں نے خود اپنی زبان میں ایسے رجحان کو نہ تو پنپنے دیا اور نہ ہی اس احتجاجی رجحان رکھنے والے تخلیق کاروں کی حوصلہ افزائی کی۔

انہیں سازشی رجحانات کے چلتے ہمیں اپنے کلاسکی سرمائے سے دستبردار کر دیا گیا۔ آج مشرقی شعریات پر بات کرنا قدامت پسندی سمجھا جاتا۔ مولانا حالی کو ان کی مغرب پرستی کے چلتے اردو تنقید کا نقش اول ثابت کیا گیا وگرنہ خالص ادبی نقطہ و نظر سے دیکھا جائے تو شعرالعجم مشرقی تنقید کی سب سے اہم دستاویز ہے۔ لیکن بھائی لوگ شبلی کو کیوں مقام و مرتبہ عطا کرتے وہ تو اسلام اور مسلمانوں کی بات کرتے تھے۔ ندوۃالعلماء اور دارالمصنفین کے بانی تھے اور تو اور یار لوگوں نے انہ صرف شبلی بلکہ "ابوالکلام آزاد" کو بھی کنڈم کیا لیکن خوشی کی بات یہ ہے کہ ان کی یہ شازش اقبال کے تعلق سے کامیاب نہیں ہوئی ورنہ اگر ان کا بس چلتا تو اقبال کی گردن زدنی میں بھی ان کو کوئی عار نہ ہوتا۔

☆☆

www.urduchannel.in

نیش

(شعری مجموعہ)

شفیع ساغؔر

تقسیم کار: مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، دہلی، ممبئی، علیگڈھ

تیری آواز مکے اور مدینے

ڈاکٹر محبوب راہی

غزل

ارتضیٰ نشاط

www.urduchannel.in

کچھ دنوں کس چاؤ سے رکھتی ہے سینے سے لگائے
اور پھر دھتکار دیتی ہے یہ دنیا کی سرائے

اسطرح کب تک چلیں گے ہم، کہاں تک جائیں گے
یہ مسائل کس قدر مجبور ہو کر ہیں اٹھائے

ہر انگوٹھی کو نگینے کی ضرورت آ پڑی
جوہری بھی سوچتا ہے کانچ بیچے، کچھ کمائے

بے غرض، بے زار میں دنیا کی بودو باش سے
اور دنیا ہے کہ میرے سامنے سے آئے، جائے

شاعری کس فکر، کس تنقید کی پابند ہو
کون اس بیکار کی حجت میں اپنا سر کھپائے

ہر نفس، ہر نفس بس اس بات کا پابند تھا
بس وہیں پہنچا جہاں پر سینگ اس کے جا سمائے

جس کی خاطر اشک لفظوں میں پروئے ہیں نشاط
چاہتا ہوں وہ مرے شعروں چمکے، جگمگائے

□□

محمد فاروق بیتاب اعظمی

اعظم گڑھ

اتنا تو کام لے سکے دیوانہ پن سے ہم
گزرے ہیں بڑھ کے منزل دارورسن سے ہم

محظوظ ہورہے ہیں ہوائے چمن سے ہم
یعنی قریب تر ہیں کسی گل بدن سے ہم

مستی وبیخودی و جنوں ہوش و آگہی
کیا کیا سمیٹ لائے تری انجمن سے ہم

معلوم ہے حقیقت ماہ و نجوم بھی
آگے گئے ہیں منزلِ چرخِ کہن سے ہم

دستِ جنوں میں چاک گریباں کی دھجیاں
ان سے ملیں گے آج اسی بانکپن سے ہم

انجام کیا ہو عالم برزخ میں دیکھئے
بیچین ہیں تصور گورو کفن سے ہم

بیتاب بچ نہ پاتے زمانے کے سحر سے
واقف اگر نہ ہوتے وفا کے چلن سے ہم

□□

www.urduchannel.in

مرتضیٰ راہی

ہاتھ سے میرے نکل جاتو بھی
آخری تیر ہے چل جا تو بھی

رسم باقی رہے غم خواری کی
آمری آگ میں جل جاتو بھی

کم نہیں تو بھی کسی سورج سے
دیکھتے دیکھتے ڈھل جاتو بھی

آمرے نقش قدم پر ورنہ
چھوڑ کر راہ نکل جاتو بھی

وہ جوروش ہے تیرے قالب میں
موم کی طرح پگھل جاتو بھی

میں کھلونا ہوں تیرے ہاتھوں میں
ہوش میں ہوں سنبھل جاتو بھی

□□

ظفر اقبال ظفر

فصیل شہر شکستہ ہے شہر کے لوگو
ہوا کا زور زیادہ ہے شہر کے لوگو

ہمارا نقش مٹانے پہ کیوں ہو آمادہ
ہمارا تم سے بھی رشتہ ہے شہر کے لوگو

جبینِ وقت پہ لکھا ابھی نہ لفظِ خوشی
لہو لہو ابھی چہرہ ہے شہر کے لوگو

سنا ہے رشتۂ جاں خنجروں سے کٹتا ہے
قلم بھی خون کا پیاسا ہے شہر کے لوگو

اسے میں کیسے کہوں شہر اپنے خوابوں کا
یہاں تو ہر سو اندھیرا ہے شہر کے لوگو

□□

بقا صدیقی

شاخ زیتون کمان میں رکھنا
فاختاؤں کو دھیان میں رکھنا

زندگی نام ہے تجسس کا
زندگی کو اڑان میں رکھنا

اب ہوا تیز چلنے والی ہے
حوصلے بادبان میں رکھنا

جانے کب کس سے کام پڑجائے
دھوپ بھی سائبان میں رکھنا

جانے کیا چیز مانگ لے گاہک
دل بھی اپنی دکان میں رکھنا

کتنا مشکل ہے ہم سمجھتے ہیں
خود کو زندہ جہان میں رکھنا

ان دنوں یہ بقاؔ ضروری ہے
خود کو اپنے مکان میں رکھنا

□□

نقوش نقوی

ہم پہ ہے کوب ذات برسوں سے
وہ نہیں کرتے بات برسوں سے

صبح راحت کو ہم ترستے ہیں
چھائی ہے غم کی رات برسوں سے

میری گلیوں میں موت رقصاں ہے
کھو چکی ہے حیات برسوں سے

کس مسافر کی راہ تکتے ہیں
عالم شش جہات برسوں سے

ان کی قسمت میں جیت ہے پیہم
اپنی قسمت میں مات برسوں سے

روح میں بس رہا ہے سناٹا
اتنے ہیں حادثات برسوں سے

کھودیا ہم نے اے نقوشؔ انکو
چھن چکی کائنات برسوں سے

□□

www.urduchannel.in

سہیلؔ غازی پوری

کب کسی اجنبی چہرے کی گرہ کھلتی ہے
چشمِ بینا ہو تو جلوے کی گرہ کھلتی ہے

صبح دم سیر کو آئی ہوئی خوش رنگ صبا
مس جو ہو جائے تو غنچے کی گرہ کھلتی ہے

آئینے ہجر کے ہو جاتے ہیں تب مُہر بہ لب
جب تری یاد کے لمحے کی گرہ کھلتی ہے

موسمِ گل ترے آتے ہی نہ جانے کیسے
کہیں کانٹے، کہیں پتے کی گرہ کھلتی ہے

بے تکلف کوئی ہو جائے جو لمحہ بھر میں
ایسی باتوں سے تو شجرے کی گرہ کھلتی ہے

جب بھی اٹھتے ہیں بخارات زمیں سوئے فلک
چاند کھلتا ہے نہ ہالے کی گرہ کھلتی ہے

دھوپ میں اب بھی سلگتے ہیں اسی طرح بدن
جانے کب پیڑ کے سائے کی گرہ کھلتی ہے

لفظ اشعار میں ڈھلنے کو تو ڈھلتے ہیں مگر
ناخنِ فکر سے لہجے کی گرہ کھلتی ہے

یہ مقولہ بھی تو سچا ہے بہر حال سہیلؔ
وقت پڑتا ہے تو رشتے کی گرہ کھلتی ہے

رحمٰن قدوس

کس کا احساس مرے ذہن میں بیدار ہوا
وہ چاند ٹھہرے ہوئے پانی میں نمودار ہوا

جس نے اپنایا صداقت کو وہی پار ہوا
نارِ نمرود بھی اس کے لئے گلزار ہوا

میں نے دیکھا ہی نہیں مڑ کے سمندر کی طرف
تشنگی میں نہ کبھی پیاس کا اظہار ہوا

جس کے ادراک سے روشن تھا مرا خانہ دل
سایہ اس شخص کا اب نقش بہ دیوار ہوا

ڈال دی کس نے خیالوں پہ ترے آج کمند
عشق میں کس کے تو رحمٰن گرفتار ہوا

□□

www.urduchannel.in

قمر سنبھلی

چند لمحے "محل جاں" میں اقامت جانیں
وقت جو ہاتھ میں ہے، اس کو امانت جانیں

ہم وہ خوش فہم، کہ منفی کو بھی مثبت جانیں
"زخم کو پھول کہیں، درد کو راحت جانیں"

فکر، دستار کی ہے حضرتِ میر آج فضول
آپ کا سر ہی سلامت ہے، غنیمت جانیں

کھردرا کرتے ہیں فیشن میں غزل کا لہجہ
وہ کہ جدت ہی کو سمجھیں، نہ روایت جانیں

اور کچھ پاس نہیں، دولت احساس تو ہے
کیوں نہ ہم خود کو قمر! صاحبِ ثروت جانیں

□□

عامر ریاض

نظم

نہ کوئی وعدہ فردا نہ آرزو نہ طلب
نہ وجہ عیش ومسرت نہ کوئی غم کا سبب

دو ایک سمٹی ہوئی بے ضرر ملاقاتیں
کچھ ایک رسمی سے جملے تھکی تھکی باتیں

ملی نگاہ تو پوچھا مزاج کیسے ہیں ؟
زباں پہ ایک ہی فقرہ جناب اچھے ہیں

کچھ ایک غیر ضروری نکاتِ رازو نیاز
ادب کی راہ سے بے کیف گفتگو کا جواز

مگر یہ سایہ تحت الشعور کیا ہے
یہ اضطراب میں ڈوبا سرور کیا ہے

عجیب ذہن کی حالت ہے چند راتوں سے
عنانِ عقل کہیں جھومتی ہے ہاتھوں سے

کئی دنوں سے بہت جذب ہے نظاروں میں
بس ایک عکس ابھرتا ہے ماہ پاروں میں

متاعِ گوہر ادراک کھورہے ہیں ہم
اسیر جذبہ بے نام ہورہے ہیں ہم

□□

فاروق جائسی

پست ظالم ہوا خود کھا کے ترس ٹوٹ گیا
کب وہ پندارِ اسیرانِ قفس ٹوٹ گیا

جس کے سائے میں ملا کرتے تھے ہم تم وہ شجر
آندھیوں میں نہ جھکا اب کے برس ٹوٹ گیا

قافلے سے میں نکل آیا ہوں شاید آگے
کیا ہوا سلسلۂ بانگ جرس ٹوٹ گیا

میں نے شیرینیٔ الفاظ کا بدلا جو مزاج
نظم یورش کدۂ مورو مگس ٹوٹ گیا

میں اکیلا رہا پابند وفا اے فاروق
زورِ تنظیم و غلامانِ ہوس ٹوٹ گیا

□□

نظام ہاتف

دھماکے آئے دن پکھران سے ہوں
رفو کی کوششیں ایوان سے ہوں

کہیں ان سے اچانک ہو ملاقات
تو کچھ یوں کہ ہم انجان سے ہوں

چلو ہم امتحاں دینگے کل کو
سوال اسمیں مگر آسان سے ہوں

ہماری زندگی کچھ لہلہائے
یہ ریگستان نخلستان سے ہوں

ہیں مردوں کے بھی آخر کچھ مسائل
کچھ اب ہنگامے قبرستان سے ہوں

سبھی چوراہوں پر اب جام لگ جائے
کہ جو بھی حادثے ہوں شان سے ہوں

گھر سے کالی گھٹا بجلی بھی کوندیں
اندھیرے میں بھی روشن دان سے ہوں

□□

www.urduchannel.in

مضطر اعظمی

www.urduchannel.in

تشنہ تشنہ سی ملاقات کا مطلب کیا ہے
ان اشارات وکنایات کا مطلب کیا ہے

ہم نے سوچا تھا کہ خوش حال یہ موسم ہوگا
اتنے سنگین سے حالات کا مطلب کیا ہے

سب نبھاتے ہیں جسے اپنی انا کی خاطر
آخر ان رسم و روایات کا مطلب کیا ہے

تیرے چہرے کی یہ رنگت تیرے برہم گیسو!
تیرے بھڑکے ہوے جذبات کا مطلب کیا ہے

ایسا لگتا ہے کہ برہم تھے کسی کے گیسو
وقت سے پہلے ہی برسات کا مطلب کیا ہے

اتنے ناداں نہیں اہل جہاں بھی مضطر
اسقدر ان کی عنایات کا مطلب کیا ہے

□□

شاہد لطیف

اپنے منصوبوں کو ناکام نہیں کرنا ہے
ہم کو اس عمر میں آرام نہیں کرنا ہے

راستہ میرا بہت دور تلک جاتا ہے
کوئی بستی ہو، مجھے شام نہیں کرنا ہے

ہم ترے خواب سے کرجائیں گے دنیا معبود
رہگذاروں کو ترے نام نہیں کرنا ہے

جو بھی تعبیر ہو تسلیم مگر آج کے بعد
اپنے ہی خواب کو نیلام نہیں کرنا ہے

□□

www.urduchannel.in

محبوب راہی

سانس لیتے ہیں ہوا کافی ہے
خیر خواہوں کی دعا کافی ہے

آپ کے واسطے ہیں سود ہلیزیں
مجھ کو بس ایک خدا کافی ہے

مصلحت کہئے ، خوشامد کہیے
ہے یہ کافی ، بخدا کافی ہے

ظلمت شب میں سر راہگذر
ٹمٹماتا سادیا کافی ہے

تیز گامی سے ذرا پوچھ تو لیں
کیا بزرگوں کا عصا کافی ہے

نکتہ چینیوں کے مقابل راہیؔ
صرف اک شعر مرا کافی ہے

شفیق الایمان

دھوپ جب پیڑوں سے اتری عشق بہکا اور کچھ
اس کے ہاتھوں کی حنا کو میں نے سمجھا اور کچھ

نیم کی شاخوں سے الجھا چاند بھی تھا بے وفا
رات سب کچھ کہہ چکی تو ہنس کے بولا اور کچھ

یوں تو سب اک چھینک پر بھی دوڑ پڑتے تھے مگر
وقت کے شعلوں پہ چل کر ہم نے دیکھا اور کچھ

باپ کی تاکید آخر رنگ لاتی کس طرح۔۔۔
جب بھی بیٹا کھل کے رویا ماں نے سوچا اور کچھ

وہ نشیلی رت وہ محفل یاد ہے اب بھی شفیقؔ
زخم کھا کر ہم اٹھے تو اس نے پوچھا اور کچھ

امیر حمزہ ثاقب

"قیامت کا سا ہنگامہ" نہیں ہے
جو لکھنا تھا مجھے لکھا نہیں ہے

اچھالوں کس دکاں پر جذبہ دل
یہ وہ سکہ ہے جو چلتا نہیں ہے

نفس کی لے پہ رقصاں ہے تفکر
مرا شاعر کبھی مرتا نہیں ہے

اڑا دو سر مرا ظلِ الٰہی
مری زنبیل میں قصہ نہیں ہے

ہر اک جانب محرم ہی محرم
ہلالِ عید کا چرچا نہیں ہے

تمنا، بھوک، بیکاری، مسائل
مرے دامن میں ثاقب کیا نہیں ہے

□□

ایاز بستوی

مرے سخن کا مقدر سنور گیا کہ نہیں
کسی کا حسن غزل میں بکھر گیا کہ نہیں

ملا کے خاک میں جس کو کیا فنا تم نے
خودی کا پودا تھا آخر ابھر گیا کہ نہیں

انا کی تیر سے جس نے کیا تھا وار کبھی
وہ پوچھتا ہے ترا زخم بھر گیا کہ نہیں

کیا تھا جس نے بھی قاتل کا حوصلہ اونچا
جفا کی تیغ سے اس کا بھی سر گیا کہ نہیں

ایاز جام کہیں، مہ کہیں، کہیں ساقی
نظامِ میکدہ سارا بکھر گیا کہ نہیں

□□

www.urduchannel.in

❖ عبید اعظم اعظمی

www.urduchannel.in

علمِ عروض

سوال: بسم اللہ الرحمن الرحیم کا وزن کیا ہے ؟ یہ وزن کسی بحر میں موجود ہے کہ نہیں اگر ہے تو اس کی تفصیل بتلائیں؟

جواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا وزن ہے مَفعُولُنْ مَفعُولُنْ فَاعِلَانْ

یہ وزن جس بحر میں پایا جاتا ہے اس کا نام ہے "سریع مسدس مطوی موقوف"

مستقبل میں آپ عروض کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد کسی کشمکش کا شکار نہ ہوں اس لئے ایک بات آپ کی خدمت میں عرض کرتا چلوں کہ دراصل مندرجہ بالا بحر کا آہنگ ہے مُفْتَعِلُنْ مُفْتَعِلُنْ فَاعِلَانْ چونکہ عروض میں تسکین اوسط کی عام اجازت ہے اس لئے مُفْتَعِلُنْ کو مسکن کر کے مُفْتَعْلُنْ کرلیا گیا ہے۔ جسے بعد میں مانس ہم وزن مَفعُولُنْ سے بدل لیا گیا۔

آپ کے ذہن میں اب سوال نہیں بلکہ سوالات پیدا ہو رہے ہونگے کہ یہ کیا ہو رہا ہے کیوں ہو رہا ہے کیسے ہو رہا ہے ؟ آپ کا سوچنا بالکل درست ہے۔ عروض کی رو سے اگر کسی رکن میں تین حرکتیں ایک ساتھ جمع ہو جائیں تو درمیانی حرکت کو ساکن کیا جا سکتا ہے اس عمل کو تسکین اوسط کہتے ہیں چونکہ مُفْتَعِلُنْ میں ت ع ل تینوں ایک ساتھ ہیں اور متحرک ہیں اسلئے ع کو ساکن کرلیا گیا ہے۔

سوال: فریاد کی کوئی لے نہیں ہے نالہ پابند نے نہیں ہے

کیا آپ کو نہیں لگتا کہ اس شعر کا دوسرا مصرعہ بحر سے خارج ہے ؟

جواب: نہیں صاحب! دونوں مصرعے ایک ہی بحر میں ہیں۔ بحر کا نام ہے۔

ہزج مسدس اخرب مقبوض محذوف / مفعول مفاعلن فعولن

دوسرے مصرعے میں مفاعلن کے م کو ساکن کر دیا گیا ہے۔ مفعول مفاعلن میں ل م ف تینوں ہی متحرک ہیں اور ایک ساتھ بھی ہیں۔ اس لئے یہاں تسکین اوسط (تخنیق) کی رعایت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے م کو ساکن کیا جا سکتا ہے۔ جب دو ارکان کے جمع ہونے پر تین متوالی حرکتیں آ جائیں اور درمیان کی حرکت ساکن کر دی جائے تو اس عمل کو "تخنیق" کہتے ہیں۔

تسکین یا تخنیق کے عمل سے بحر کی تبدیلی کا دھوکا تو ضرور ہوتا ہے مگر حقیقتاً بحر تبدیل نہیں ہوتی۔

سوال: رنگ چنار کی قسم لالہ نگار کی قسم
ابر بہار کی قسم مرگ خزاں ہے زندگی
یہ شعر کس بحر میں ہے ؟ اور اس کے ارکان کیا ہیں ؟

جواب: یہ شعر "بحر رجز مطوی مخبون مثمن" میں ہے ارکان ہیں۔

مُفتَعِلُن مَفَاعِلُن مُفتَعِلُن مَفَاعِلُن

سوال: مسدس حالی کون سی بحر میں ہے ؟ تفصیل سے بتلائیں ؟

جواب: مسدس حالی "بحر متقارب سالم مثمن" میں ہے۔ اس بحر کا بنیادی رکن فعولن ہے۔ یہ رکن اس بحر میں مصرع میں چار بار اور شعر میں آٹھ بار ہوتا ہے۔

وہ نبیوں / میں رحمت / لقب پا / نے والا ---- فعولن چار بار
مرادیں / غریبوں / کی برلا / نے والا ---- فعولن چار بار

سوال: علامہ اقبال کی مشہور نظم "شکوہ جواب شکوہ" کس بحر میں ہے ؟

جواب: علامہ اقبال کی یہ نظم "بحر رمل واتی مخبون، مخبون مقصور / مخبون محذوف" میں ہے۔

آہنگ یہ ہے

فاعِلاتُن فَعِلاتُن فَعِلاتُن فَعِلُن / فَعِلان

اس بحر میں فَعِلاتُن کو تسکین اوسط کے ذریعے فَعْلاتُن فَعِلُن کو فَعْلُن اور فَعِلان کو فَعْلان کیا جا سکتا ہے۔ علامہ اقبال نے اس نظم میں اس رعایت سے جگہ جگہ فائدہ اٹھایا ہے۔

+++++

www.urduchannel.in

منتخب افسانہ ❖ آصف فرخی

بمبئی

نئے شہروں میں، اجنبی ہوٹلوں کی نامانوس تنہائی میں اسی طرح کی باتیں یاد آتی ہیں مجھے۔ پوری شدت کے ساتھ اچانک یاد آکر حیران کر دیتی ہے کوئی چھوٹی سی تفصیل۔ جانے کب کی اٹکی ہوئی اس یاد کو ٹال کر یا اس سے آنکھیں چرا کر آگے بڑھنا بھی مشکل ہو جاتا ہے بعض مرتبہ پھر یہ اندازہ بھی نہیں ہو پاتا کہ اس وقت بیٹھے بٹھائے یا چلتے چلاتے یہ بات جو آخر یاد آئی تو کیوں آئی۔ ہم کون ہیں، کہاں کے ہیں اور کس جگہ پر ہیں، ان سب سے کوئی تعلق غور کرنے پر بھی سمجھ میں نہیں آتا دبے پاؤں آکر ذہن پر طاری ہو جانے والی اس بات کا اور اس وقت تو میں اکیلا بھی نہیں تھا۔ نہیں، اکیلا پن تھا تو سہی مگر اندر تھا، خاموش آنکھوں کے پیچھے کہیں گہرائی میں یوں دیکھا جائے تو ہوٹل کے کمرے میں ایک بھلا آدمی میرے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ اصل تنہائی، روح فرسا اور جان لیوا، ہمیشہ کسی اور شخص کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔ شاید اسی جھونک میں، کوئی جواب نہیں دیا تھا میں نے جب فضل صاحب نے میری طرف دیکھ کر کہا تھا کہ لاؤنج میں چلتے ہو چائے پینے کے لئے؟ جوتے پہنے یوں ہی بستر پر لیٹا رہا میں اور ٹی۔ وی کے چینل بدل بدل کر دیکھتا رہا۔ سرخ رنگ میں دائیں جانب ابھر آتا تھا چینل کا نمبر، جب اسکرین پر تصویر بدلتی تھی۔ کئی ایک تھے چینل اور ہر ایک پر جو کچھ دکھایا جا رہا تھا اس میں اپنی ایک کیفیت اپنی ایک بات ضرور ہوتی ہے۔ لیکن اب کون اس کی تفصیلات سمیٹے، کہاں تک جوڑ جوڑ کر تصویریں بنائی جائیں، ان بدلتی ہوئی تصویروں سے بھی تنگ آ گیا تھا میں۔ اگر کمرے میں ساری شام بند رہ کر ٹی۔ وی ہی دیکھنا تھا تو ہوائی جہاز کا سفر ناحق کیا۔ اس سے پہلے کہ اندر سے اٹھنے والے طعنے کی آواز سنائی دے میں نے اپنے آپ کو بستر سے اٹھالیا۔ کمرے کے دروازے پر ایک لمحے کے لئے رکا، مٹی کی مستقل رنگت اختیار کر لینے والے، پامال قالین سے ڈھکا برآمدہ بھی اتنا ہی سونا تھا جیسے کوئی بات یاد آتے آتے پلٹ رہی ہو۔ میں نے جیب پر ہاتھ مار کر اطمینان کیا کہ چابی رکھی ہوئی ہے اور دروازے کے خود کار قفل کو بند ہوتے ہوئے سنا، خالی کمرے کے اندر بستی ہوئی تنہائی سے منقطع ہونے والے تعلق کی واضح آواز اب میں کمرے کے باہر تھا۔ رنگین پایوں والی کرسی پر فضل صاحب بیٹھے تھے اور چائے کی پیالی ان کے ہاتھوں میں تھی "کیا ہوا؟" ان کی بھنویں سوالیہ انداز میں اٹھ گئیں۔

"بمبئی" میں نے جواب دیا اور پھر فوراً جیب میں رکھی ہوئی چابی کو تھپتھپاتا ہوا، الٹے پیروں کمرے میں واپس آ گیا۔

میں نے ٹی وی کھولا، پھر فوراً بند کردیا۔ میں نے جوتے اب بھی نہیں اتارے میں نے تکیہ ترچھا کرکے گردن کے نیچے رکھ لیا۔ بمبئی اس وقت اچانک خیال آیا کہ آخر یہی نام کیوں لیا تھا مظہر ماموں نے؟ اس سے پہلے جب بھی یہ بات یاد آئی اور ایسی کوئی خاص یاد بھی نہیں آئی تو اس کے بے تکے پن پر ہنسی آئی تھی۔ لیکن اس نام کی کوئی وجہ بھی ہو سکتی ہے، یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ کیا انہوں نے کوئی سفر کیا تھا بمبئی کا اور اس سے کوئی یاد وابستہ تھی؟ یہ تو امی نے کبھی بتایا ہی نہیں یا اس سے دل چسپی محض اس نام کے صوتی تاثر کی وجہ سے تھی، بمبئی اب یوں تو ایک سے ایک نام کے شہر پڑے ہوئے ہیں، ترچنا پلی، جلپائے گوڑی، ٹونڈلہ اور ہاپوڑ اور جانے کیا کیا، ان میں سے کوئی نام کیوں نہیں چن لیا؟ یا پھر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ نام کسی مقبول عام فلمی گانے میں آیا ہو اور وہاں سے یاد رہ گیا گانا بھلا کون سا ہو گا وہ۔ "ای ہے بمبئی نگریا تو دیکھ ببوا۔۔۔" فوراً ذہن میں آواز ابھری۔ نہیں، یہ تو ایسا پرانا نہیں ہے اور شاید امیتابھ بچن کی کسی فلم کا ہے۔ "بمبئی سے آیا میرا دوست، دوست کو سلام کرو۔۔۔" یہ بھی اتنا پرانا نہیں کہ مظہر ماموں نے اس وقت سنا ہو جب انہوں نے یہ نام لیا تھا۔ نئے گانوں میں صرف ایک ہی گانا تھا جو میں نے ان کو گاتے ہوئے سنا تھا۔ وہ امیتابھ بچن کی سی بھری، گونجیلی آواز بنا کر گاتے "لونگا الائچی کا بیڑا لگایا۔ کھاوے گوری کا یار۔ بلم ترسے" اور میں سوچتا تھا ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ بدلتے ہوئے چینل کی طرح ذہن پر کئی گانے جلدی جلدی گزرنے لگے۔ ایک پر تصویر رک گئی۔ "میرا بمبئی سے بالم آیا رے ہو بابو جی۔۔۔۔" اس گانے میں تو ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ اسے بار بار دہرایا جائے، یا اس کے نام میں سے ہر بات کا جواب تلاش کیا جائے۔ میں یہ تصور کرتا ہوں کہ یہ اس طرح ہوا ہو گا کہ کسی نے کسی بات پر جواب میں کہا ہو گا "بمبئی" اور مظہر ماموں نے سنا نہیں ہو گا۔ پھر پوچھا ہو گا کہ "کیا؟" تو کہنے والے نے ذرا چڑ کر، زور دے کر کہا ہو گا، "بم بئی" بس اس وقت سے اس نام کی رٹ لگائی ہو گی انہوں نے۔ ورنہ گھروں میں جگہوں کے نام اس طرح بلا سبب تو نہیں لیے جاتے۔ خیر، یہ بات یقینی ہے کہ اس طرح بار بار نام لینے کا بمبئی کے کسی حالیہ واقعے سے تعلق ممکن نہیں تھا۔ سنجیدگی اور مذاق میں مظہر ماموں کی یہ عادت سی تھی کہ ایک لفظ یا ایک فقرے کو بار بار دہرائے جاتے۔ پڑوس کے کوارٹر میں جو طوطا پلا ہوا تھا اس کو بہت پڑھانے کی کوشش کی، "بولو رادھا کرشن"۔ مگر طوطا جواب میں وہی ایک بات کہتا کہ "ٹیں"۔ اب دن بھر اسے یہی سبق پڑھائے جا رہے ہیں۔ امی بتاتی ہیں کہ نانی جان نے ٹوک دیا تھا کہ یہ کفر کیوں رٹا رہے ہو بے زبان کو، تو مظہر ماموں نے منہ پھلا لیا تھا۔ پھر کئی دن تک نانی جان ان سے جو بات کہتیں، وہ یہی جواب دیتے: "بولو رادھا کرشن، ٹیں۔" امی بتاتی ہیں کہ یہی انہوں نے بمبئی کے ساتھ بھی کیا۔ اب گھر میں جو بھی بات ان سے پوچھی جا رہی ہے، اس کا ایک جواب ہے۔ بمبئی۔

"مظہر بیٹے، کھانا کھاؤ گے؟"

"بمبئی"

"کیا کہیں سے کھا کر آئے ہو؟"

"بمبئی۔"

www.urduchannel.in

www.urduchannel.in

"جاؤ بھاڑ میں'

'بمبئی"

"اچھا تو رہو پھر فاقے سے"

"بمبئی"

"جاؤ بھاڑ میں"

"بمبئی"

"ہر بات کی حد ہوتی ہے"

"بمبئی"

"یہ کیا زٹرلگار کھی ہے، بمبئی، بمبئی۔۔۔"

"بمبئی"

نہیں معلوم کیسے ختم ہوا ہو گا یہ بے ربط سلسلہ۔ ایسی باتیں بڑی جلدی آئی گئی ہو جاتی ہیں۔ چل نکلی ہو گی کوئی اور بات۔ یا پھر سب بھول بھال گئے ہوں گے یہ بے بات کی بات امی کو ذرا نہیں یاد کہ یہ کیسے ختم ہوئی۔ میں نے ان سے کئی مرتبہ پوچھا۔ انہوں نے ذہن پہ زور بھی ڈالا، اور میرے اصرار پر یاد کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ہر بات جھنجھلا گئیں کہ "ایک آدھ دفعہ ذکر ہوا، یہ بات ختم ہو گئی۔ اور کیا بتاؤں تم کو؟ تم بھی بس ایک ہی بات کو لے کر بیٹھ جاتے ہو۔۔۔ شاید ان کا مطلب یہ تھا کہ کوئی ایک واضح خاتمہ نہیں ہوتا ایسی باتوں کا۔ یعنی اتنا واضح جیسے دروازے کے خود کار قفل کا بند ہونا۔ روز مرہ کے معمولی واقعات میں سے نکل کر آتی ہیں یہ باتیں، پھر ان ہی میں گم ہو کر رہ جاتی ہیں۔ ریت میں اتر جانے والی بوند کی طرح۔ اس سے زیادہ کوئی کچھ نہیں بتا سکتا۔

ریت اور بوند، بمبئی اور مظہر ماموں۔۔۔ ہاں۔ مظہر ماموں اور بمبئی۔۔۔۔ مجھے پوری کوشش کرنا پڑی کہ وہ منظر یاد نہ آئے جب اس بات کا خاتمہ مظہر ماموں کے ساتھ ہوا تھا۔ کنٹونمنٹ میں بہت بڑا گھر ملا ہوا تھا ان کو جہاں گرمی کی چھٹیاں گزارنے کیلئے ہم لوگ راولپنڈی آئے ہوئے تھے، رات کو سوتے سے اٹھ کر سگریٹ پینے کے دوران، اڑتی ہوئی چنگاری سے مچھر دانی میں۔۔۔ لگ جانے کے بعد ان کا چہرہ جس پر سے جا بجا گوشت اڑ گیا تھا، اور میرے سارے بچپن کو ماتم میں مبتلا آنگن کی طرح بھر دینے والا امی کا بین "بھائی، بھائی۔۔۔" میں نے تیزی سے چینل بدل دیا اور مظہر ماموں کے بجائے جہاز کی لینڈنگ کو دھیان میں لانے لگا، بلکہ خاص لمحہ جب جہاز کے اندر سے پہیے نکل کر زمین کو چھو لیتے ہیں، تو اس لمس کا احساس ایک ہلکے سے جھٹکے کے ساتھ ہوتا ہے، اور میں تو جیسے ہر سفر میں اسی لمحے کا انتظار کرتا ہوں جب نیچی اڑان کرتا ہوا جہاز پہلی بار زمین کو چھو لیتا ہے۔۔۔۔ رواں پرواز کے بعد جھٹکا آتا ہے اور ہم تھوڑا آگے کو ہو جاتے ہیں۔ اور سارے مسافر اطمینان کا سانس لے کر حفاظتی پیٹیوں کے بکل کھولنے لگتے ہیں۔

بکل کھولنے کی چٹاچٹ آواز آتی ہے کہ ایک دم سے جہاز کی ساری بتیاں جل اٹھتی ہیں۔ جیسے کوئی نیند سے

دچونک اٹھا ہو۔

چونکا تو میں اس وقت تھا جب فضل صاحب نے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا تھا اور کہا تھا کہ "اٹھ جاؤ، مسافر اترنے لگے ہیں" خاموشی کے ساتھ اٹھ کر اپنا دستی سامان اوپر سے اتارنے لگا تھا۔

سیڑھی جہاز کے دروازے سے لگ چکی تھی اور مسافروں کی سانپ جیسی قطار حرکت کر رہی تھی۔ میرے آگے فضل صاحب ایک وقت میں ایک ایک قدم آگے بڑھ رہے تھے۔

ہر قدم کے بعد کیا کرنا تھا، یہ پہلے سے معلوم تھا۔ مجھے کچھ کہنے سننے کی زیادہ ضرورت نہیں تھی۔ نہ کچھ سوچنے کی۔

آسمان پر اندھیرا چھانا ابھی شروع ہی ہوا تھا مگر بتیاں جلادی گئی تھیں۔ جھٹ پٹے کی پھیکی بے رونق، اداس، روشنیاں ایرپورٹ کے لاونج سے قدم باہر رکھتے ہی ایک ہجوم ہم پر پل پڑا "ٹیکسی چاہیئے؟"۔ "کدھر چلیں گے؟" ۔"گاڑی؟" "رینٹ اے کار؟"۔ فضل صاحب نے شلوار قمیض پہنے ہوئے اور راستے میں کھڑے ہوئے ایک پستہ قد آدمی کو تقریباً دھکیل دیا "کیوں کرلیں رینٹ اے کار؟ کہہ دیا نہیں چاہئے۔ کہیں نہیں جانا ہمیں ان پیلی پیلی ٹیکسیوں میں۔" انہوں نے جھلا کر کہا۔

اس میں غصہ کرنے کی کیا بات ہے؟ میں سوچا۔ میری آنکھوں میں وہ بہت ہلکے درجے کی سرپرائز برقرار تھی جو ایک پلے کارڈ پر اپنا اور فضل صاحب کا نام لکھا ہوا دیکھ کر مسلسل ہوئے چلی جارہی تھی۔ پلے کارڈ، وردی پہنے ہوئے ڈرائیور نے اٹھار کھا تھا جسے ہم کو لانے کیلئے ہوٹل کی طرف سے بھیجا گیا تھا جو ہمیں کسی اور طرح سے پہچان نہیں سکتا تھا۔ حیرت اس بات کی نہیں تھی کہ کسی کو ہمیں لینے کیلئے بھیجا گیا ہے بکہ اس بات پر تھی کہ پلے کارڈ اٹھائے ہوئے وہ شخص کسی مظاہرے میں آیا ہوا لگ رہا تھا جیسے ہمارے ناموں اور ہماری آمد پر خاموش احتجاج کر رہا ہو۔

اب بھی کچھ بولنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ ذہن بھی کوئی خاص بات نہیں سوچ رہا تھا۔ ہوٹل میں چیک ان کرتے ہوئے بھی زیادہ کہنے سننے کی ضرورت پڑی، نہ کچھ سوچنے کی۔ استقبالیہ کاونٹر کے رجسٹر پر خانہ پری کرتا رہا۔ نام، پتہ، تفصیلات کی بھرمار اور ایسے سوالات سے ہوٹل والوں کو کیا سروکار ہو سکتا ہے؟ "اس شہر میں آمد کا مقصد؟ کاروبار یا تفریح؟ آپ کے سفر کی اگلی منزل؟" ہاں، یہ اندراج کرتے ہوئے میں نے سوچا تھا کہ یہ سب کس قدر غیر ضروری ہے۔ ہوٹل کے رجسٹر چھپے ہوئے خانے، ایک آدمی کی خاموشی اور پر سکون، مگر اندر سے رستی ہوئی تنہائی کی پیائش تو کر نہیں کر سکتے۔ ورنہ اس سے کیا فرق پڑجائے گا کہ آپ جس فلائٹ سے آئے ہیں اس کا نمبر کیا ہے؟

ایسی ساری تفصیلات کے غیر ضروری بلکہ گم راہ کن ہونے کا احساس اس وقت اور ہوا جب فضل صاحب اپنا سوٹ کیس کھول کر سامان کمرے میں رکھنے لگے۔ میں کچھ دیر تک چپ چاپ دیکھتا رہا۔ خاموشی اب چبھنے لگی تھی۔ اسے توڑنا ضروری تھا۔ اس لئے محض کچھ بولنے کی خاطر ان سے کہا "سامان تو آپ ایسے جمارہے ہیں جیسے اب

یہیں قیام کا ارادہ ہے۔"

وہ ہنس دیے۔ "کیا پتہ اسی کی نوبت آجائے" ان کی کھنکتی ہوئی ہنسی میں تلخی کا ایک شائبہ تھا۔ یا مجھے ایسا محسوس ہوا۔

مگر میں نے اس سے آگے کوئی سوال نہیں کیا۔ شاید وہ اسے پسند نہ کریں۔ پھر میں خود کون سی باتیں کرید کرید کر پوچھنا چاہتا تھا۔ میرا مقصد تو بس خاموشی کو توڑنا تھا، اس سے پہلے کہ وہ تکلیف دہ بن جائے۔ سفر کے یہ چند دن تو ان کے ہی ساتھ گزارنے تھے۔

میرے دفتر کے ساتھی تھے وہ جہاں لوگ انہیں "اللہ کا فضل" کہتے تھے۔ کبھی پکارنے کیلئے اور کبھی چھیڑنے کیلئے۔ ڈھلتی عمر کے باوجود چہرے مہرے پر وجاہت تھی۔ بات بھی قرینے سے کرتے دفتری معاملات میں سوجھ بوجھ خاصی تھی، اس لئے میرا ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا تھا۔ دفتر میں بھی اور بعض مرتبہ، دفتری اوقات کے بعد ان کے گھر پر بھی۔ دفتر کے ایسے دوستوں کے ساتھ مجھے یہ سہولت رہی ہے کہ آپ خود ہی فاصلے کا تعین کر سکتے ہیں، اپنا کوئی حصار توڑنا نہیں پڑتا۔

قربت اور بے تکلفی کے ایک جبر میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ اسی لیے ان لوگوں کے ساتھ سفر مجھے اذیت دیتے ہیں اور میں نہ جانے کب کب کی باتیں یاد کیے جاتا ہوں۔ ڈاک کے ان ٹکٹوں کی طرح جن کے لفافے پر مہر لگنے سے رہ گئی ہو اور کسی نے یہ سوچ کر پانی میں بھگو کر اتار لیا ہو کہ یہ دوبارہ کام آجائیں گے مگر کبھی کام آئیں ہیں ایسی چیزیں؟ کسی کونے میں رکھ کر بھلادی جاتی ہیں اور چند لمحے کے کام میں مشغول رکھنے کے علاوہ کسی مصرف کی نہیں ہوتی۔ چائے پی کر اور کچھ دیر باہر ٹہل کر واپس آئے تھے فضل صاحب اور بغیر استری کی شکن بھری شلوار کے اوپر جرسی پہنے میں انھیں دیکھ رہا تھا۔ انھوں نے اپنے آپ کو بالکل ڈھیلا چھوڑا ہوا تھا ان کو دیکھ کر مجھے یوں لگا جیسے بہت دیر جوتے میں بند رہنے کے بعد موزے اتار کر پیر باہر نکل آیا ہے اور پسیجتی ہوئی بو دے رہا ہے وہی پیر جسے بند جوتے کے اندر کوئی نہیں دیکھ سکتا۔

اب سونے کی تیاری کرنا چاہئے، میں نے ارادہ کیا۔ کپڑے بدلنے کے لیے غسل خانے چلا گیا۔ دانت صاف کرنے کے لیے بیسن کی طرف ہاتھ بڑھایا تو شیلف پر ان کی چیزیں پہلے سے رکھی نظر آئیں۔ گلاس میں ٹوتھ برش رکھا تھا اور اس کے قریب ہی ٹیوب پڑی ہوئی تھی، کچھ دنوں سے استعمال میں رہی ہوگی یہ ٹیوب، مگر کوئی چوتھائی خالی ہونے کے باوجود اس کا سڈول پن جو پوری بھری ہوئی نئی حالت میں ہوتا ہے، ختم نہیں ہوا تھا۔ اس کو پیچھے کی طرف سے ہی برابر دبایا جاتا رہا تھا۔ ایک ترتیب سے خالی ہو رہی تھی وہ ٹیوب، میری ٹیوب کی طرح جگہ جگہ سے پچکی ہوئی نہیں تھی کسی خاص احساس کے بغیر میں نے وہی ٹیوب اٹھالی اور احتیاط کے ساتھ اس کو دبا کر اپنے برش پر پیسٹ نکال لیا۔

کلی کے ساتھ میں نے تھوک دیا اور بستر پر آن کر لیٹ رہا۔

فضل صاحب اپنے بستر پر لیٹ چکے تھے۔ ڈھیلے کپڑوں میں ان کا جسم سانس کے ساتھ ہلتا ہوا نظر آرہا تھا۔

"بتی بند کر دوں یا جلنے دوں؟ آپ سوتے میں بالکل اندھیرا پسند کرتے ہیں یا تھوڑی بہت روشنی چاہتے ہیں؟" میں نے ان سے پوچھا میں ان کے ساتھ اخلاق سے پیش آنا چاہتا تھا میں یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ انہیں میرے رویے سے شکایت ہو۔

"آپ اپنی سہولت دیکھ لیجئے ہماری قسمت میں تو اب اندھیرے ہی لکھے ہیں۔" ان کی آواز آئی۔

ان کے مذاق کا موڈ ابھی ختم نہیں ہوا، میں نے کچھ کوفت کے ساتھ سوچا۔

مگر یہ آواز میں ہلکی سی لرزش کیوں تھی؟ میں خاموش ہی رہا۔ اس خوف سے کہ یہ فوراً ہی آبلے کی طرح پھوٹ نہ پڑیں۔ پھر میرا ذہن کہیں اور تھا اس میں پرچھائیاں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔ امی مظہر ماموں، امی کے پڑوس والوں کا طوطا، رادھا کرشن ٹیس، گرمی کے دوپہروں میں کوارٹر کے سامنے سائیکل چلاتے ہوئے لڑکے مظہر ماموں کا وہ چہرہ جس پر عینک کے گول شیشے دو مجبور آنکھوں کے آگے روک بنے ہوئے تھے۔ بے تکی فلمی گانے جو بیٹھے بٹھائے یوں ہی گنگنائے جاتے ہیں اور تھوڑے ہی دنوں میں ان پر ہنسی آنا بھی بند ہو جاتی ہے۔ "میں تو دلی سے دلہن لایا ری۔۔۔ میرا تو بمبئی سے بالم آیا رے، او بابو جی۔۔۔۔ "بم بے۔ جگ دمبھے، اکڑ بکڑ، بمبے بھوں۔۔۔ لیکن اس آواز کی لرزش بڑھ گئی تھی جب وہ اس کمرے میں گونجی "ہوٹل میں قیام کی بات میں نے یونہی نہیں کہہ دی ہے۔ آپ کی بھابھی نے بھی حد کر دی ہے۔ کسی دن میں کچھ کر نہ بیٹھوں پھر بعد میں مجھے بھی افسوس ہو گا۔۔۔"

غسل خانے کی بتی جلتی چھوڑ دی تھی میں نے۔ اس کے اجالے کا ایک چوکور ٹکڑا دائیں جانب کمرے کے قالین پر پڑ رہا تھا۔

"بات بات میں شک کیے جاتی ہے۔ میں کہیں چلا جاؤں اس کے ذہن میں بس ایک ہی خیال آتا ہے کہ ضرور وہی چکر ہے۔ خود کہیں جانا پڑے تو گھر میں گھستے ہی بچوں سے پوچھتی ہے، تمہارے ڈیڈی کہاں گئے تھے؟ بات بات پر کڑھتی رہتی ہے پھر بیٹھ کر روتی ہے۔ کتنی دفعہ سمجھایا ہے میں نے کہ پروین دیکھ، کسی چیز کی کمی ہے تیرے لیے؟ اچھا کھاتی ہے اچھا پہنتی ہے گھر ہے بچے ہیں اور میرا مزاج بھی جانتی ہے کہ میں ادھر اُدھر منہ مارنے والوں میں سے نہیں۔ اچھی خاصی بیٹھی ہوتی ہے، مجھے گھر میں آتا دیکھ کر منہ بن جاتا ہے اس کا۔ ہر بات میں مجھ پر شک کرتی ہے کوئی بات کہہ دوں اسے سچ نہیں مانتی۔ کہتی ہے مجھ سے چھپاتے ہو، تم اصل میں اس کے چکر میں ہو۔ کتنی بار سمجھایا کہ تمہارا اس کا کیا مقابلہ؟ لیکن بات سننے کی روادار نہیں۔ کچھ نہ بھی کہے تب بھی جتنی دیر میں سامنے رہوں کن انکھیوں سے میری طرف دیکھے جاتی ہے ٹھنڈی سانس بھرتی ہے، کبھی خود ہی بڑبڑانے لگتی ہے۔۔۔۔۔"

کسی خاص بات سے شک ہوا ہے ان کو؟ میں نے سوال پوچھنا چاہا، سوال تو میرے ذہن میں اور بھی آئے لیکن اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ میرے سوال کو کس طرح لیں گے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ مجھے سنا ہی رہے ہوں ہو سکتا ہے خود ہی اپنے سینے کا بوجھ ہلکا کرنا چاہ رہے ہوں۔

سوال کا موقع دیے بغیر وہ بولے جا رہے تھے۔ "زبیدہ کے آنے کے بعد سے تو اس کی بے اعتباری کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا۔ کہتی ہے کہ تم جان بوجھ کر اسے یہاں لائے ہو آپ خود ہی جانیے، میں نے زبیدہ کو نوکری دلوانے میں سفارش

تک نہیں کی۔ بچپن سے ہم لوگوں کا ملنا جلنا ہے۔ اس کے گھر روز کا آنا جانا، اور اس کے بھائیوں سے دانت کاٹی دوستی، اگر اس کے ساتھ کچھ کرتا ہوتا تو پہلے نہ کر گزرتا، دفتر میں لا کر بٹھاتا؟ اتنا سمجھایا کہ دفتر میں چار لوگوں کے درمیان ایک عزت بنی ہوئی ہے۔ کس کو اچھا لگتا ہے جب تم دو دو ٹکے کے چپراسیوں، چوکیداروں کو گھر بلا کر پوچھتی ہو کہ آج صاحب کے پاس کون کون آیا تھا۔ کل کو یہی لوگ باتیں کریں گے۔ آپ سونا تو نہیں جا رہے؟ میری باتوں سے اکتا تو نہیں گئے؟ میں بھی کس سے کہوں؟ آپ زبیدہ کو ایک طرف رکھیے اور ایک طرف اسے۔ میں کوئی پاگل ہوں کہ گھر میں اچھی بھلی بیوی کو چھوڑ کر دوسرے گھروں میں نظریں دوڑاتا رہوں؟ زبیدہ کے گھر آنا جانا کب کا چھوڑ دیا میں نے۔ اس کے بھائی پوچھتے بھی رہے کہ کس بات پر ناراضگی ہے؟ وہ کوئی بچے تو نہیں ہیں جو سمجھ نہ جائیں۔ اور ایک زبیدہ ہی کی بات نہیں۔ اس سے پہلے وہ شہناز تھی وہی ذرا ابھاری بدن کی۔ یاد ہے ناں، آپ کو؟ اس پر کیا کچھ بہتان نہیں باندھے۔ سو تو نہیں گئے آپ؟"

میں سویا تو نہیں تھا۔ کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔

"بچے بڑے ہو گئے ہیں۔ وہ ان باتوں کو خوب سمجھتے ہیں۔ اپنے باپ کے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے؟ اور خود پروین نے اپنا جو حال بنا لیا ہے۔ کہتی ہے، ایک پل چین نہیں آتا ہر بات کا ذمہ دار مجھی کو ٹھہراتی ہے۔ کھانسی بھی آتی ہے تو کہتی ہے، تم تو مجھے خون تھکوا کر چھوڑو گے میرا دماغ ماؤف نہ ہو جائے تو اور کیا ہو۔ آپ ہی انصاف کیجئے۔۔۔"

میری سمجھ میں نہیں آیا کہ مجھ سے کس بات کی توقع کی جا رہی ہے۔

"ہر بات میں شک، ہر بات میں شک، میں جو بھی کرتا ہوں، اس کو اس میں ایک ہی بات نظر آتی ہے۔ دن رات اٹھتے بیٹھتے، وہی ایک بات۔۔۔۔ میری سمجھ میں نہیں آتا اسے کیا ہو گیا ہے۔ آپ ہی بتائیے کہ کیا ہو گیا ہے۔۔۔"

"بمبئی۔۔۔" میرے منہ سے اچانک نکلا۔

"کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

"بمبئی۔" میں نے جواب دیا۔

"میں سمجھا نہیں؟" فضل صاحب کے لہجے میں حیرت تھی۔ انتہا سے زیادہ حیرت۔

مگر میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ آئندہ ہمارے ساتھ جو کچھ پیش آنے والا ہے، اس کا نام میری سمجھ میں آ گیا تھا۔

اس وقت امی کی بتائی ہوئی، مظہر ماموں کی وہ بات نہ آتی تو یہ نام کیسے سمجھ میں آتا؟ یہی نام، بمبئی۔

www.urduchannel.in

www.urduchannel.in

نواب سید محمد خاں رندؔ

توبہ کا پاس رند سے آشام ہو چکا
بس ہوچکا تقدس اسلام ہوچکا

شمع حرم تھا گاہ ، گہے دیر کا چراغ
میں زیب کفر و رونق اسلام ہو چکا

جو دم ہے مغتنم ہے، مرا اعتبار کیا
میں صبح ہو چکا کہ سر شام ہو چکا

دیں دار برہمن کہے، کافر بتائے شیخ
دونوں طرف سے موردِ الزام ہوچکا

کیا رہ گیا ہے اہلِ بصیرت سے تو نہاں
پردہ اٹھادے حسن ترا عام ہوچکا

قرآن اٹھاتے ہیں طمعِ زر کے واسطے
دیں دار گر یہی ہیں تو اسلام ہوچکا

کعبے کو جاتے جاتے پھرے سوئے دیر رندؔ
لو حج کرآئے آپ اور احرام ہوچکا

□□

ثاقبؔ لکھنوی

ہجر کی شب نالۂ دل وہ صدا دینے لگے
سننے والے رات کٹنے کی دعا دینے لگے

کس نظر سے آپ نے دیکھا دل مجروح کو
زخم جو کچھ بھر چلے تھے پھر ہوا دینے لگے

سننے والے رودیے سن کر مریضِ غم کا حال
دیکھنے والے ترس کھا کر دعا دینے لگے

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دے نے لگے

مٹھیوں میں خاک لے کر دوست آئے وقتِ دفن
زندگی بھر کی محبت کا صلا دینے لگے

سینۂ سوزاں میں ثاقبؔ گھٹ رہا ہے وہ دھواں
اف کروں تو آگ دنیا کی ہوا دینے لگی

□□

آکٹوپس

ڈاکٹر نصرت حنفی

سب دھوپ کے وظیفے میں غرق ہیں
دہکتی آگ دندناتی پھر رہی ہے کمرے میں
میں اپنے پسینے سے دھوپ کے جسم کو
ٹھنڈا کر رہا ہوں
یہ میرا معجزہ ہے
چمکتی، بکھرتی، سنہری ریت کا خدا
آکٹوپس کی طرح ہمیں جکڑ رہا ہے
لہو نچوڑ کر
پھینک چکا ہے
زندگی برہنہ پھر رہی ہے
ببولوں کے جنگل میں

دل سے

شہاب اختر

دل سے
ہزار خیال نکلتے ہیں
جب سے
تمھیں دیکھا ہے
تم سے پہلے
زندگی میں کوئی
چمک نہیں تھی
اب ہاتھ بھی
دعا کو اٹھتے ہیں
اب نماز بھی میں پڑھتا ہوں
تم سے پہلے
میں ایسا نہیں تھا
تم کو دیکھا تو
دستِ سوال ہوا میں

رقصِ بسمل

شرون کمار ورما

دیو داسی ناچتی ہے
ایستادہ، ساونلی پتہ مگر کی مورت کے لبوں پر
سر دو جامہ مسکراہٹ کے شگوفے کھل رہے ہیں
اور کنول چرنوں میں کتنے
گھی کے دیپک جل دیے ہیں
اور کم خواب میں لپٹی ہوئی پتھر کی مورت
جامہ و ساکت لبوں کے لمس سے بنسی کے دل میں
اک انوکھی راگنی بیدار کرنے کی لگن میں
یوں خلاء میں تک رہی ہے

جیسے اپنی سئی لاحاصل پہ ہو شر مندہ کوئی
صندل ولوبان سے مہکی ہوئی رنگین فضامیں
سانولی، پتھر کی مورت
اپنے قدموں میں پڑے چاندی کے سکوں کی چمک سے
اور بھی کچھ خوبصورت ہو گئی ہے۔
جگمگاتے، جاگتے دیوارودر سے
نور کی رنگیں شعائیں
نازنینوں کی طرح انگڑائی لے کر جھومتی ہیں
اور مندر کی طرب انگیز، مدماتی فضامیں
دیوداسی ناچتی ہے
جھن جھنا جھن، جھن جھنا جھن ناچتی ہے
خوبصورت دیوداسی کے چمکتے جسم میں ننھے ابدے ہیں
ان مدسر، خاموش نغموں کی تپش سے

دیوداسی
سردوحامد، سانولے پتھر کو پگھلانے کی کوشش کررہی ہے
زندگی پانے کی دھف میں
جانے کب سے مروہی ہے
اور میں بے جان مورت
اپنی آنکھوں اپنے ہونٹوں پر کھلی صدیوں پرانی
مسکراہٹ کے ویثوں کی روشنی میں
رقص کر گرمی سے بے حس بے خبر
ایسے کھڑی ہے
جیسے اسکی خاموشی اس رقص بسمل سے بری ہے
آزمائش کی گھڑی ہے۔

With the Complements from

NAWAB ALI

P.L. lokhand Marg, Janta Timber Market,
New Goutam Nagar, Govandi, Mumbai-43

بوریت

کمل کمار

ترجمہ: التمش رشید

میں نے اپنی بوریت سے پوچھا
آخر تمہیں چاہئے کیا؟
دال چاول اور چٹنی
پھل پھول رہے ہیں بال بچے۔۔۔
لیکن تمہاری بکواس تو رکتی ہی نہیں
لگاتار بک بک لگائے رکھتی ہو
تمہارے مزاج ہی نہیں ملتے
کام کاج کوئی نہیں کیا تم کو؟
چلو میرا کوڑا ہی پھینک دو
تازہ وازہ کچھ نہیں، لیکن
آسی باسی میرے پاس بہت رہتا ہے
اس پر تو کوئی پیٹ پال لیں۔۔۔
اچھا ٹھیک ہے۔۔۔
کل پھر آجانا
لیکن بہت رات ہوئی
کہاں جاؤ گی
لو ڈال دو یہیں بچھونا۔

کھل کھل کر رونا

شرد رنجن شرد

ترجمہ: مسرت شاہین

بچہ ہنستا ہے
تو ہنس دیتے ہیں ہم بھی
لیکن جب روتا ہے بچہ
ہم ہو جاتے ہیں چپ
ایک غصیلے اندھیرے کی طرح چپ۔۔۔
سچ مچ
ایک بچے کی طرح
کھل کھل کر رونا
ہمارے بس میں نہیں ہوتا۔

دائرہ

پر پھل کمار اگھونے

ترجمہ: خالد صدیقی

انسان کو
انسانوں سے ملاتے ہوئے
میں نکلا تھا
اور دائرہ مکمل ہو گیا
میں باہر رہ گیا۔

❖ ایم اسلم

نقاد۔۔۔۔۔۔یعنی ادب کا بھنگی

www.urduchannel.in

یہ اپن کا چیلہ کلو آج کل بہت پریشان کر رے لا ہے۔ آجکل اسکو ادب ودب کا بھوت سوار ہے۔ پرسوں اپن سے بولا بھائی تم تو تھوڑا بہت پڑھے لا ہے ہم کو بتاؤ نقاد کیا ہو تا ہے۔اپن کچھ دن پہلے بھنڈی بزار گئے لا تھا۔ادھر کیفے الماس ہوٹل کے پاس کچھ لوگ بات کر رے لا تھا کہ نقاد بہت بڑی چیز ہو تا ہے۔ بات بات میں شمس الرحمٰن فاروقی اور گوپی چند نارنگ کا جکر (ذکر) کر تا تھا۔ تم اپن کو بتاؤ کہ یہ نقاد کیا ہو تا ہے۔ لگتا ہے منسٹر ٹائپ کوئی چیز ہو تا ہے۔اپن نے اسکو بولا تیرے کو معلوم کرنے کا اتنا ہچ شوق تھا تو ان لوگوں سے ہی پوچھ لینا تھا میرے کو کیا پتہ یہ کیا ہے۔پاکٹ واکٹ مارنے کی بات ہو تو تیرے کو کچھ بتاؤں بھی۔ پن اس نے بہت ضد کی تو اسکو اپن قمر کے پاس لے گیا۔ آپ سب تو جانتے ہی ہونگے وہی اپنا قمر صدیقی جو اردو چینل نکالتا ہے اسکو ادب ودب کا بہت انٹرسٹ ہے۔ قمر نے اس کو بتایا کہ بھائی ایسا ہے کہ نقاد کے معنی ہوتے ہیں کسی بھی چیز کو پڑھ کر اسکی خوبی اور خرابی کو ظاہر کرنا پن اپن کے پلے کچھ پڑا نہیں تو اس نے بتایا کہ دیکھو ایسا ہے۔ نقاد کا کام یہ ہے کہ ادب میں صالح یعنی اچھے رجحان کو بڑھاوا دے اور جو کچھ برے رجحانات ہیں انھیں کنڈم کرے اور نقاد لوگوں کو پرکھ کر بتاتا ہے کہ کیا اچھا ہے کیا برا۔ بات اپن کی سمجھ میں آ گئی پن اپن کلو کو کیسے سمجھاتا وہ پکا جاہل ہے بس اس کو نئی نئی بات سیکھنے کی ایک دھن ہے جو سوار رہتی ہے۔اپن اسکو بولا دیکھ چھوٹے یہ نقادی بہت بڑا چکر ہے۔۔یہ رائٹر لوگ جو لکھتا ہے نا وہ نقاد پہلے پڑھتا ہے پھر لوگوں کو بولتا ہے کہ کیا اچھا ہے اور کیا برا ہے تو وہ فوراً بول اٹھا کہ کیا پبلک خود پڑھ کر یہ نہیں معلوم کر سکتی ہے کیا اچھا ہے کیا برا ہے تو اپن نے اسکو بولا کہ دیکھ چھوٹے ادھر آجکل ادب ایسا لکھا جا رے لا ہے کہ پبلک کو کچھ سمجھ میں ہچ نہیں آتا اسکے لئے نقاد لوگ کا بہت مارکیٹ ہے پہلے وہ پڑھتا ہے پھر سمجھنے کی کوشش کرتا پن جب اسکو سمجھ میں نہیں آتا ہے تو پھر وہ بھی جیک (Jake) دیکھ کر کسی کو برا کسی کو اچھا بنا دیتا ہے۔اسی لئے تو ادب میں بہت کچرا جمع ہو گیلا ہے۔ کلو فوراً بول پڑا۔ ارے بابا تو تو کیا سمجھتا ہے کہ نقاد کا کام بھنگی (یعنی مہتر) کا ہے جو صاف صفائی کرے میں نے چونک کر کہا تو وہ بول پڑا بھائی تمہاری باتوں سے تو اپن یہیچ سمجھا ہے کہ نقاد ادب کا بھنگی ہے پن وہ بھی میونسپلٹی والوں کی طرح صاف صفائی برابر نہیں کرتا ہے اور اس لئے ادب میں بہت گندگی پھیل رے لی ہے۔ ☆☆☆

www.urduchannel.in

بابری مسجد نمبر ایک ادبی و تاریخی دستاویز ہے

اردو چینل کا بابری مسجد نمبر ایک ادبی و تاریخی دستاویز ہے۔ مشمولات سب کے سب جامع ،متوازن اور فکر انگیز ہیں۔ ان میں زیریں حقائق تک رسائی حاصل کرنے کی للک ہے جو دل کو بھی چھوتی ہے فکر انگیخت کرتی ہے ۔ یہی تخلیقیت کی اصل غرض وغایت بھی ہوتی ہے۔ میں ہندستانی تواریخ کا طالب علم رہاہوں اور ۱۹۶۰ء میں بابری مسجد کی بلند و بالا و پر شکوہ عمارت کا نظارہ بھی کر چکا ہوں ۔ تب اجودھیا کا فضا تعصب و مذہبی جنون کی زہرناکی سے آلودہ نہیں تھی البتہ اس کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ ۶/ دسمبر ۱۹۹۲ء کے دن میرا قیام کانپور کے ایک فساد زدہ علاقے میں تھا۔ فسادات کے ہولناک مناظر اور جان ومال کے اتلاف کا میں چشم دید گواہ ہوں ۔ اس کے باوجود بابری مسجد کے تقریباً ۵۰۰ سالہ تابندہ ودرخشندہ نقش کے صفحہ تاریخ سے ہمیشہ کے لئے مٹ جانے کا غم مجھے زیادہ رہا، جانے کیوں!

غلام مرتضٰی راہی

نہایت محتاط اور غیر جانبداری سے شمارہ مرتب کیا ہے

اردو چینل کا 'بابری مسجد نمبر' ملا۔ آپ نے بہت اچھا یادگار نمبر نکالا ہے۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ آپ نے نہایت محتاط اور غیر جانبداری سے اس شمارہ کو مرتب کیا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی حیثیت ایک اہم دستاویز کی ہو گئی ہے۔ بابری مسجد کا نام آتے ہی ہم لوگ بے حد جذباتی ہو جاتے ہیں۔ ہونا بھی چاہیے لیکن جب آپ کسی مسئلے کو دانشورانہ سطح پر پیش کرنا چاہتے ہیں تو اس وقت نری جذباتیت سے بات نہیں بنتی۔ آپ نے نہ صرف حقائق کو پیش کیا ہے بلکہ بابری مسجد کے سانحہ کے بعد پیدا ہونے والے ادب کے نمونے بھی بہت خوبصورت ڈھنگ سے پیش کیے ہیں۔ میری طرف سے اردو چینل کے سارے رفقاء کو مبارکباد دیجئے۔

مجتبٰی حسین

ادب انسان کے مرثیے کا عزاخانہ ہے

اردو چینل کا 'بابری مسجد نمبر' ملا۔ یہ مکتوب برائے مکتوب نہیں بلکہ چاہتا ہوں کہ چند باتوں کا ذکر ہو جائے جو غالباً آپ کی دلچسپی سے خالی نہ ہوں گی۔

ہمارے مروجہ جمہوری نظام سیاست کے ضابطے میں انسان کی حیثیت اول تا آخر محض ایک ووٹر سے زیادہ نہیں اور اسلامی نظام سیاست کے ضابطے میں انسان کی حیثیت اول تا آخر ایک سچے مومن سے زیادہ نہیں اس لئے ہماری جمہوریت

ووٹ کے لئے انسان کے ساتھ بد ترین رویہ بھی اختیار کرنے میں دریغ نہیں کرتی۔ ووٹ کے لئے کبھی مذہب کے خانوں میں کبھی ذات پات کے خانوں میں اور کبھی زبان کے خانوں میں انسان کو آسانی سے بانٹ دیا جاتا ہے اور یہ کام اس نظام کے رکھوالوں کے ہاتھوں ہی انجام پاتا ہے ۔ اس طرح مروجہ اسلامی نظام سیاست بھی ایسے ہی بد ترین رویہ کو اپنے ضابطے کے مطابق دہراتی ہے۔ یعنی وہ انسان کو کبھی مومن اور غیر مومن کے خانوں میں، کبھی سنی اور شیعہ کے خانوں میں، کبھی مہاجر اور غیر مہاجر کے خانوں میں، کبھی پنجابی اور سندھی کے خانوں میں تقسیم کر کے مسجدوں کے صحن کے اندر گولیوں سے بھون دینے میں بھی پس و پیش نہیں کرتی۔ اور یہ کام بھی اس نظام کے رکھوالے ہی کرتے ہیں۔

ہماری جدید فرقہ پرستی دراصل ما بعد نو آبادیاتی نظام کی پیداوار ہے۔ جن ہندوؤں نے مشترکہ تہذیب کی نشانی سمجھ کر سینکڑوں سال مسجد کی خود حفاظت کی انھیں میں سے مٹھی بھر ہندوؤں نے غصہ ابھارنے کی نئی کاریگری کے ذریعے انھیں اس لائق بنا دیا گیا کہ وہ مسجد کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں۔ ادب کا سروکار دراصل اس نئے میکانزم کے بخشے ہوئے زخموں کو چاٹنا ہے کیونکہ جہاں جہاں اقتدار کی ہوس موجود ہے یہ میکانزم بھی موجود ہے اور اسی میکانزم سے پیکار اس لئے ضروری نہیں کہ اس نے مسجد کو شہید کیا ہے بلکہ اس لئے ضروری ہے کہ ایک دن غصہ ابھارنے کی یہ نئی کاریگری خود ہندوؤں کے ہاتھوں کسی مندر کی بھی اینٹ سے اینٹ بجوا سکتی ہے۔ اور انسانی تہذیب کو انتشار میں مبتلا کر سکتی ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ اعلیٰ ادبی نظام کے ضابطے میں انسان کی حیثیت نہ تو ووٹر VOTER کی ہوتی ہے اور نہ مومن کی بلکہ انسان اول تا آخر انسان ہی رہتا ہے ۔ جس طرح مروجہ جمہوری سیاست اور اسلامی سیاست کے کچھ ضابطے ہیں اسی طرح ادب کی اقلیم کے بھی ضابطے ہیں اور ادب انسان اور انسان کے درد کو اپنی اقلیم میں اپنی شرطوں پر ہی پناہ دیتا ہے کیونکہ اگر وہ اپنے ضابطوں کی اتنی کڑی حفاظت نہ کرے تو خود اسکا وجود ہی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

ادب انسان کے مرثئے کا ایک ایسا عزاخانہ ہے جہاں انسانیت اپنے غم کی تہذیب کرنا سیکھتی ہے غم کا بھرم رکھنے کیلئے ادب کی تحقیر یا ادب کی لاج رکھنے کیلئے غم کی تکذیب دونوں ہمیں منظور نہیں۔ آگے آپ کو اختیار ہے اس عزا خانے سے جیسا سلوک کروانا چاہئے کروائے۔

اقبال مجید

ہم حال سے بے خبر اور مستقبل سے بے نیاز ہیں

اردو چینل کا "بابری مسجد نمبر" بھیج کر آپ نے مجھے متشکر کیا۔ اس ماہ نامے سے میں اب تک

ناواقف تھا اور واقفیت بھی ہوئی تو اس عالم میں کہ سارے زخم پھر ادھڑ گئے۔

بابری مسجد کا المیہ ہماری ہزار سالہ تاریخ میں ظہور ہونے والا ایک ایسا سانحہ ہے کہ جس کا صحیح اندازہ ہم لگا پائے ہیں اور نہ آئندہ کئی سالوں تک لگا پائیں گے۔ لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم نئے سرے سے اپنے تاریخی کردار کا جائزہ لیں۔ ہم سے چوک کہاں ہوئی، ہم سے بھول کہاں ہوئی، ہم اتنے زبون و خوار کیسے ہو گئے۔ یہ بے بسی ہے تو کیوں ہے۔ کہیں ماضی سے غیر ضروری ذہنی وابستگی تو اس بات کی ذمہ دار نہیں کہ ہم حال سے بے خبر اور مستقبل سے بے نیاز ہیں۔

تاریخ غلطیوں کو کبھی معاف نہیں کرتی۔ ہم ہندوستانی مسلمانوں نے ایک بڑی بھیانک بھول کی ہے۔ تقسیم ملک کو ہم نے اپنا علاج سمجھا مگر یہ علاج آزار ثابت ہوا کہ دور دور تک نظر دوڑانے پر بھی کوئی مداوا نظر نہیں آتا۔ بابری مسجد اسی بھول کا نتیجہ نمبر ا ہے۔ جانے اس بھول کا تاوان ہمیں کتنی قسطوں میں اور کن کن صورتوں میں ادا کرنا پڑے گا۔ اس کا اندازہ لگانے سے ہم قاصر ہیں۔ لہذا کیوں نہ اس سلسلے میں سید شہاب الدین اور ظفریاب جیلانی سے رجوع کریں؟

حقیقت تو یہ ہے کہ میں اپنی قوم سے بے حد مایوس ہوں۔ اردو چینل کے مشمولات پڑھ کر مایوسی اور بھی گہری ہو گئی کہ کسی بھی تحریر میں ہم نے خود کو تنقیدی اور خود احتسابی کا کوئی مظاہرہ نہیں کیا ہے۔

اگر آج کی نوجوان نسل بھی حقیقت پسندی سے کام نہیں لیتی تو ہم جیسے عمر رسیدہ لوگوں کیلئے سوائے مایوسی کے کیا رہ جاتا ہے؟

میں چاہوں گا کہ آپ حضرات میرے اس خط پر اپنا ردعمل ظاہر کریں تا کہ مثبت نتیجے کی غرض سے مکالمے کی کوئی صورت پیدا ہو۔

پرکاش فکری

انشاءاللہ۔ ہم نے جسے شہید ہوتے دیکھا اسے آباد ہوتے ہوئے بھی دیکھ لیں

یہ ایک حقیقت ہے کہ اردو کی بقا برتری اور وسعت کے لئے اس وقت ممبئی سر چشمہ خدمت بنا ہوا ہے اس عدیم المثال "بابری مسجد نمبر" کی قدر و قیمت کا اندازہ صحیح معنوں میں فیض آباد اور ایودھیا کے دل شکستہ عوام ہی کر سکتے ہیں۔ ہم نے جو کچھ دیکھا ہم پر جو کچھ بیتی، ہم جس ہنگامی دور سے گذرے اس کی بہترین ترجمانی اردو چینل کے "بابری مسجد نمبر" نے کی ہے۔ سب سے بڑا کمال اس نمبر کا یہ ہے کہ ایک جلتے سلگتے مسئلے کو جس سنجیدگی، متانت، دلائل اور ادبیت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ حصہ نثر ہو یا حصہ نظم دونوں اظہار حقیقت دواقیعت میں اپنی مثال نہیں رکھتے۔

انشاءاللہ۔ کاش ہم نے جسے اجڑتے، شہید ہوتے دیکھا ہے اسے آباد ہوتے ہوئے بھی دیکھ لیں (آمین) کاش وہ دن جلد آئے کہ شہید کرانے والوں

www.urduchannel.in

کے قہقہے آنسوؤں میں بدل جائیں، آتش کرب میں تبدیل ہو جائیں۔ 'بابری مسجد نمبر' کا ہر لفظ، ہر جملہ، ہر مضمون، ہر تحریر، ہر صفحہ، ہر ورق ہمارے لئے مثل بابری مسجد ہے۔ یہ وہ دستاویز ہے جسے آنکھوں سے لگانا چاہئیے۔

لئیق اختر فیض آبادی

بابری مسجد پر جرأت مندانہ یادگار شمارہ ہے

اردو چینل کا دسمبر شمارہ ملا۔ بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے جرأت مندانہ صداقت سے بابری مسجد پر یادگار شمارہ شائع کیا ہے مجروح کا انٹریو بھی بہت اچھا لگا۔ وحید اختر صاحب کے مجوزہ حل ناکافی ہیں۔ البتہ اس شمارے سے ابھی تک کوئی راستہ نکلتا دکھائی نہیں دیا اس راستے کو تجویز کرنا سب سے اہم کام ہے ۔ ایک تو ضرورت یہ ہے کہ سیکولرزم کے محدود ہوتے ہوئے اثر کو بڑھانے اور وسیع تر کرنے کی ضرورت ہے اور وہ بھی اس وقت جب کہ یہی طاقتیں (فرقہ پرستی) برسر اقتدار ہیں۔ شاید یہ عمل زیادہ توجہ اور زیادہ احتیاط چاہتا ہے اور سبھی سیکولر اور خصوصاً اقلیتی اداروں کو قریب تر لاکر ایک اجتماعی رائے بنانے کی ضرورت ہے جو آپ کا رسالہ کر سکتا ہے۔ مجروح صاحب کی دیانت اور خلوص نے متاثر کیا مگر انہوں نے جو اعتماد علی میاں پر ظاہر کیا ہے وہ قابل قبول نہیں یہ وہی علی میاں تو ہیں جنہوں نے جعفر شریف کو استعفیٰ دینے سے بھی روک دیا تھا۔

اب جبکہ عیسائیوں اور اچھوتوں اور سکھوں کے ساتھ بھی یہی برتاؤ ہو رہا ہے اس بڑھتی ہوئی اقلیت دشمنی اور ظلمت پرستی کے خلاف وسیع تر تحریک اور شاید متحدہ تحریک چلانے کا وقت آگیا ہے۔ کم سے کم اس کے لئے آواز تو اٹھے۔ آپ کا یہ اقدام نہایت مستحسن اور لائق مبارک باد ہے۔

محمد حسن
دہلی

مجروح صاحب نے بے لاگ جوابات دیے

رسالہ موصول ہوا سرسری مطالعہ سے ہی انکشاف ہوا کہ یہ ننھا منا رسالہ اپنے اندر کیسی ایٹمک توانائی رکھتا ہے۔ مجروح صاحب نے اچھے بے لاگ جوابات دیے ہیں۔ چھ دسمبر کے سانحہ کے نتیجے میں تخلیقات کا سامنے نہ آنا سماج کے تئیں بے حسی کا سبب ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ اکیسویں صدی تک پہونچتے پہونچتے کچھ برف پگھلنی شروع ہوئی ہے اور یہ پیش قدمی بھی آپ کے شہر سے ہوئی ہے۔ میری دعا ہے کہ آپ کا رسالہ مثبت طریقے سے تخلیق کے منصب کو بحال کرے۔

عامر ریاض
لکھنؤ

LITERARY MAGAZINE ADBI **URDU CHANNEL** MONTHLY

FEB-MARCH - 1999

7/3121 GAJANAN COLONY, GOVANDI, MUMBAI -43

www.urduchannel.in

Kazmi

Construction

Call me

6134126 /
6134127

Read evry Sunday

Filmi
Boss

(Hindi Weekly)

Shamim Khan

* Zari Work
* Hand Embroidery
* Machine Embroidery
* Kuresheya Work
* Badla Work